انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ

جریدہ

حیاتِ نو

دہلی

مدیر اعزازی : محمد انس فلاحی مدنی

جلد۔۹، شمارہ ۔ ۱۔۳ | جنوری۔مارچ ۲۰۲۳ء | جمادی الثانی۔رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ

ادارتی امور کے لیے رابطہ کریں: 9634920066 | انتظامی امور کے لیے رابطہ کریں: 9634920066

ای میل: Hayatenau1978@gmail.com

فی شمارہ	:	اندرون ملک	۳۰/روپے
		بیرون ملک	۵/امریکی ڈالر
خصوصی شمارہ	:		۱۰۰ روپے
سالانہ زرتعاون	:	اندرون ملک	۳۰۰/روپے
		بیرون ملک	۲۰/امریکی ڈالر
لائف ممبرشپ	:	اندرون ملک	۵۰۰۰/روپے
		بیرون ملک	۳۰۰/امریکی ڈالر

مجلس ادارت

۱۔ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی
۲۔عبداللہ زکریا فلاحی
۳۔تنویر آفاقی فلاحی
۴۔امتیاز وحید فلاحی
۵۔عبدالرحمن زریاب فلاحی
۶۔نجم الہدیٰ ثانی فلاحی

ہمارے نمائندے

۱۔رضوان احمد فلاحی، لندن
۲۔موسیٰ کلیم فلاحی، متحدہ عرب امارات
۳۔حسن حبیب فلاحی، نیپال
۴۔فیاض احمد فلاحی، قطر
۵۔محمد سموئیل فلاحی، کویت
۶۔ڈاکٹر انعام اللہ فلاحی، سعودی عرب
۷۔ذوالقرنین حیدر فلاحی، ملیشیا

★ رجسٹرڈ ڈاک سے رسالہ منگوانے کی صورت میں رجسٹری خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔

★ مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

Printed, Published & Owned by Sayyed Rashid Hamdi ,F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Printed at**: Ala Printing Press, 3636, Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006. **Published at**:F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Mohd. Anas Falahi**

نقوشِ حیات

اداریہ	مدیر	۳
پیغامات	صدرانجمن	۹
قرآنیات		
تراجم قرآن پر ایک نظر	ڈاکٹر محی الدین غازی	۱۶
بحث و نظر		
مطالعاتِ معاش نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ایک تجزیاتی مطالعہ	محمد انس فلاحی مدنی	۲۱
مولانا سید مناظر احسن گیلانی کے بعض افکار کا مطالعہ	ڈاکٹر محمد اسامہ	۳۲
پڑوسیوں کے حقوق قرآن وحدیث کی روشنی میں	ڈاکٹر ابوعبداللہ فلاحی	۴۳
نئی معاشی پالیسیاں اور ہندوستانی معیشت	سراج الدین فلاحی	۵۵
ڈاکٹر محمد عمارہؒ: فکر اسلامی کا مضبوط قلعہ	ڈاکٹر وصفی ابوعاشور	۶۱
مسلمانوں کی شرح خواندگی بڑھانے میں مدارس کا اہم رول کیوں اور کیسے؟	ڈاکٹر سمیہ ریاض فلاحی	۷۲
تبصرہ کتب		
ہیون سانگ دلی میں	عبداللہ ندیم فلاحی	۷۸
جلوہ ہائے پابہ رکاب	محمد انس فلاحی مدنی	۸۱
اخبار جامعہ	مولانا مصباح الباری فلاحی	۸۳
اخبار انجمن	ادارہ	۹۴

تحریکی لٹریچر کے روشن پہلو

جماعت اسلامی ہند کی تاسیس کے ۷۵ رسال پورے ہو رہے ہیں، اس وقت ملک گیر پیمانے پر جماعت کے تعارف، خدمات کا تذکرہ اور عملی جدوجہد کے لیے احتساب و تجزیہ کی ملک گیر کوششیں ہورہی ہیں۔ جہاں جماعت کی دینی، ملی، ملکی کوششوں کا جائزہ و تذکرہ ضروری ہے وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ تحریکی لٹریچر کا جائزہ لیا جائے اور اس کے روشن پہلو نمایاں کیے جائیں۔ اس سلسلے میں چند اہم روشن پہلو قارئین حیات نو کے لیے پیش ہیں۔

☆☆☆

بیسوی صدی ملت اسلامیہ ہند کی تاریخ کے دل خراش واقعات وحادثات سے جانی جاتی رہے گی۔ ابتداء ہوئی تو خلافت عثمانیہ کی سرپرستی سے محرومی مقدر بنی، مسلمانان ہند انگریزوں کی غلامی کے شکنجے میں کسے ہوئے تھے، اس سے نجات ملی تو متحدہ قومیت کا نظریہ ملی تشخص اور ملی وجود کے لیے چیلنج بن کر ابھرا۔

صبر آزما حالات نئی تبدیلی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں، رات جتنی تاریک ہوتی ہے، صبح نو کی امید اتنی ہی بڑھ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق بیسوی صدی میں بھی ایسی جلیل القدر شخصیات ملت اسلامیہ ہند کے مقدر میں لکھ دیں جنھوں نے اسے سخت طوفانوں کے بھنور سے نکالا۔ ان جلیل القدر شخصیات میں مولانا محمود الحسنؒ، مولانا محمد جوہر علیؒ، مولانا محمد شوکت علیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، علامہ اقبالؒ، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، اور مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ہیں۔ یہ وہ شخصیات ہیں؛ جنھوں نے قائدانہ رول ادا کیا۔ ان شخصیات میں سید مودودیؒ اس لحاظ سے ممتاز اور نمایاں ہیں کہ انھوں نے احیائے اسلام کی علمی وفکری کوششوں کے ساتھ ایک تحریک کی بنیاد ڈالی، جو اسلام کے مکمل نظامِ حیات کا تصور لے کر اٹھی، اقامت دین جس کا مشن اور نصب العین قرار پایا۔ سید مودودیؒ کی تحریر

اورتحریک کے اثرات پوری دنیا میں محسوس کیے گئے۔

کوئی تحریک دور اور دیر تک نہیں چل سکتی جب تک اس کی علمی ،فکری اور نظریاتی بنیادیں پختہ نہ ہوں، ماضی سے مضبوط وابستگی، حال کی فکر مندی اور مستقبل کی منصوبہ بندی نہ ہو۔اسی بنا پر شروع سے ہی تحریک اسلامی کی نظریاتی بنیادوں کے لیے قرآن وسنت کو اساس قرار دیا گیا۔اسلام سب کی فلاح ونجات اور قرآن سب کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہے، یہ اس تحریک کا شروع سے ہی سب سے بڑا سلوگن رہا ہے۔تحریک اسلامی نے اسلام کا حرکی واجتماعی تصور پیش کیا اور اسلام کے لیے حرکت وعمل کا جذبہ پیدا کیا۔

احیائے اسلام کی اس تحریک کے لیے ضروری تھا کہ وہ ایسا لٹریچر فراہم کرے جو ملت اسلامیہ میں دینی بیداری، عصر حاضر سے آگہی ، باطل افکار سے اجتناب اور غلبۂ اسلام کی کوششوں کے لیے حرکت وعمل کا جذبہ پروان چڑھائے۔اس سلسلے میں سید مودودیؒ نے اپنے رسالہ ماہنامہ ُترجمان القرآن‘ میں اسلام کی ترجمانی کا سلسلہ شروع کرنے کے ساتھ ہی ایسے رفقاء کی تربیت کی جنھوں نے روز اول سے تحریک کے مقاصد کی تکمیل کے لیے اپنے آپ کو وقف کیا۔

تحریک اسلامی کا نصب العین اقامت دین ہے۔ضروری تھا کہ اقامت دین کا مفہوم، تقاضے اور لائحۂ عمل تحریک کے لٹریچر میں موجود ہو۔اسلام کی حقانیت وصداقت اور اسلام ایک نجات دہندہ تحریک ہے، اس کی علمی وعقلی بنیادیں پیش کی جائیں۔اسلامی نظام دنیا کے لیے نعم البدل ہے، اس کا واضح نقشہ موجود ہو۔تحریک نے اسی ضرورت کے تحت اسلامی نظام حیات کے جملہ شعبۂ حیات سے متعلق گراں قدر تصنیفات، تالیفات اور تراجم تیار کیے۔تحریکی لٹریچر کا جائزہ لیا جائے تو اس کے روشن پہلو اور ان کی عصری معنویت ابھر کر سامنے آتی ہے۔

مغربی افکار پر تنقید

بیسوی صدی خود ساختہ نظامہائے زندگی کے عروج وزوال کی صدی ہے۔اس میں متعدد نظریات نے اس اعلان کے ساتھ سر اٹھایا کہ انسانیت کی فلاح ونجات اسی نظامِ زندگی میں منحصر ہے، لیکن وہ ناکام ہوئے۔مغربی نظریات دنیا کے سامنے ایک چیلنج کے طور پر ابھرے اور بڑی تعداد کو

اپنی زد میں لے لیا۔ان نظریات کے بودے پن کو سید مودودیؒ نے واضح کیا، اسلام کی حقانیت اجاگر کی اور دنیا کے سامنے اسلام کو بہ طور متبادل نظام زندگی کے پیش کیا۔اسلام کی علمی و عقلی توجیہ کے نتیجے میں دین بیزار طبقے کا رخ مغرب سے پھیر کر اسلام کی جانب کر دیا اور انھیں اسلام کا شیدائی بنا دیا۔سید مودودیؒ کی 'تفہیمات'، 'تنقیحات'، 'تصریحات'، 'تعلیمات' اور رسائل و مسائل کے سوال و جواب اس کا بین ثبوت ہیں۔سید مودودیؒ کی تحریروں میں رائج نظامہائے زندگی پر تنقید بھی ہے اور اسلامی نظامِ زندگی کی تشریح و توضیح بھی۔ان کی تحریروں میں عصری اسلوب، مخاطب کی نفسیات اور جدید علمی تقاضوں کا بھر پور لحاظ رکھا گیا ہے۔

سید مودودی کے بعد تحریک کے جن لوگوں نے مغربی نظریات پر علمی تنقید یں کی ہیں، ان میں پروفیسر خورشید احمد اور پروفیسر محمد نجات اللہ صدیقیؒ کے نام نمایاں ہیں۔اول الذکر دونوں شخصیات نے رائج معاشی نظام کے نقائص اور اسلام کے معاشی نظام کے خصائص و امتیازات کو اجاگر کرنے کے ساتھ موجودہ سودی نظام کی وجہ سے درآمد معاشی بحران، غربت و افلاس کے خاتمہ کے لیے اسلام کے معاشی نظام کا مفصل نقشہ پیش کیا ہے۔ان کی انھی خدمات کے طفیل میں انھیں شاہ فیصل عالمی ایوارڈ سے نوازا گیا تھا۔

کامل دین کی تشریح

اسلام مکمل نظام زندگی ہے، اس فکر کو تحریکی لٹریچر میں خصوصیت سے ابھارا گیا ہے۔اس پر ماہنامہ 'ترجمان القرآن'، ماہنامہ 'زندگی نو' میں سیکڑوں مضامین شائع ہوئے۔سید مودودیؒ نے اس پر مستقل کتابیں لکھیں۔اسلام کے سیاسی، معاشی، معاشرتی، عائلی اور خاندانی نظام زندگی پر وافر لٹریچر تیار ہوا۔'اسلام ایک نظر میں'، 'اسلام کا نظام حیات'، 'اسلام اور مشکلات حیات' اور 'اسلام کی امتیازی خصوصیات' جیسی کتابیں طبع ہوئیں۔

تحریکی لٹریچر میں اسلامی نظام حیات کے تصور و تشریح کے ساتھ مروجہ تصور دین و عبادت پر بھی علمی تنقید کی گئی ہے۔اس سلسلے میں مولانا صدرالدین اصلاحیؒ کی 'دین کا قرآنی تصور' نہایت معرکہ آراء کتاب ہے۔یہ کتاب دین کے قرآنی تصور کی تحقیق، تنقیح اور تعیین پر مبنی ہے۔دین کا قرآنی

تصور کیا ہے اور مروجہ تصورِ دین کی خامیاں کیا ہیں؟ دین کے بنیادی تصور کو جاننے کے ذرائع اور مراجع تحقیق کیا ہیں؟ نیز دین کے بنیادی تصور سے واقفیت کے ثمرات اور ناواقفیت کے کیا نتائج ہیں؟ یہ کتاب ان ہی سوالوں کے جواب کا احاطہ کرتی ہے۔ اس میں دین کے قرآنی تصور کی بنیادیں، تقاضے، ثمرات اور غیر قرآنی تصور دین یعنی عشق الٰہی پر مبنی دین کے مزاج، فکری اور عملی تقاضے اور نتائج پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ اسلامی تصور عبادت پر سید مودودیؒ کی یہ چند تصانیف ؛'خطبات'، 'دینیات' اور 'اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر' نہایت گراں قدر کتابیں ہیں۔

اسلام کا حرکی و اجتماعی تصور

تحریکی لٹریچر میں اجتماعیت کے اسلامی تصور کو خصوصیت سے پیش کیا گیا ہے۔ اسلام ایک تحریک ہے اور منظم اجتماعیت کا مطالبہ کرتا ہے۔ سفر میں تین افراد ہوں تو ایک کو امیر چن لیں، اس کی تعلیم دی گئی ہے۔ مسلم معاشرہ ایک اجتماعی وجود ہے ،نماز ،روزہ ،زکوۃ اور حج جیسی اہم عبادات اجتماعیت کا درس دیتی ہیں۔ اسلام کے اجتماعی تصور پر مولانا صدر الدین اصلاحیؒ کی کتاب 'اسلام اور اجتماعیت' میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

امت مسلمہ کے حالات سے سرگرم تعرض

تحریکی لٹریچر میں امت مسلمہ کے سیاسی، سماجی اور معاشی مسائل پر قابلِ ذکر کام ہوا ہے۔ اشارات زندگی نو میں ملی، ملکی اور عالمی حالات ہمیشہ زیر بحث رہے ہیں۔ جماعت کے ترجمان 'ویکلی ریڈینس، کانتی اور 'دعوت' میں امت مسلمہ کے مسائل پر علمی وتجزیاتی مضامین کی اشاعت شان دار روایت کا حصہ ہیں۔ دعوت کے اس سلسلے میں متعدد خصوصی شمارے شائع ہوئے ہیں ان میں چند یہ ہیں؛ فلسطین ،تاریخ ،پس منظر، صورت حال (مارچ ۲۰۰۱ء)، تحفظ شریعت اور آزاد ہندوستان (فروری ۲۰۰۴ء)، مسلم ممالک مشکلات اور امکانات (ستمبر ۲۰۱۱ء)، مسلم دنیا موجودہ صورت حال (اپریل ۲۰۱۱ء)، اتحاد امت کی عملی تدابیر (مئی ۲۰۱۶ء)، مسلم دنیا انقلاب کی دستک (ستمبر ۲۰۱۲ء)، مسائل حاضرہ اور سیرت رسولؐ (مارچ ۲۰۱۲ء) جیسے اہم شمارے تحریک کی ملی مسائل سے دل چسپی اور اتحاد ملت کی عملی جدو جہد کا ثبوت ہیں۔

دعوتی لٹریچر کی فراہمی

تحریک کا شعبہ دعوت روز اوّل سے ہی متحرک ہے،اس جانب خصوصی توجہ دی ہے۔اس سلسلے میں لٹریچر کی تیاری اہم کام ہے۔ہندوستان کی متعدد زبانوں میں تراجم قرآن کی اشاعت ناقابل فراموش کام ہے۔اس کے علاوہ اردو، ہندی اور انگریزی تینوں زبانوں میں دعوتی لٹریچر تیار ہوا ہے۔ مسلمانوں میں دعوتی ذہن سازی کے لیے اردو زبان میں 'مسلمان اور دعوت اسلام، دعوت حق اور غیر مسلم، تحریک اسلامی اور برادران وطن، اسلام کی دعوت، اسلام ایک دین دعوت، غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق، دعوت دین اور اس کا طریقۂ کار، دعوت دین اور اسلام کی امتیازی خصوصیات، دعوتی کاموں کے لیے خطوط کار اور دعوت کی منصوبہ بندی' جیسی اہم کتابیں تیار کی گئی ہیں۔اسی کے ساتھ ہندی اور انگریزی میں چالیس سے زائد اہم فولڈر شائع ہوئے ہیں۔جن میں اسلام کا تعارف، غلط فہمیوں کا ازالہ، دین کی دعوت اور تبلیغ کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

خواتین میں جذبہ دین کی آبیاری

خواتین انسانی آبادی کا نصف حصہ ہیں۔انھیں نظر انداز کر کے کسی مثبت تبدیلی اور تعمیری کام کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے۔تحریک اسلامی نے خواتین میں جہاں دینی بیداری کے لیے عملی جدوجہد کا آغاز کیا وہیں خواتین کے اسلامی کردار اور حقوق، اور ان پر اعتراضات کے مسکت جواب دینے کی بھی کی کوشش کی ہے۔اس سلسلے میں سید مودودیؒ کی 'پردہ'، 'حقوق الزوجین'، مولانا عمریؒ کی تصانیف 'عورت اسلامی معاشرے میں'، 'عورت اور اسلام'، 'مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ' اور اسلام کا عائلی نظام' قابل ذکر ہیں۔اسی طرح دیگر مصنفین نے 'عورت اور اسلامی انقلاب'، 'تحریک اسلامی اور خواتین کا کردار' اور 'اسلامی نظام میں عورت کا مقام' جیسی اہم کتابیں لکھی ہیں۔

خواتین اسلام کے لیے فعال اور سرگرم رول ادا کریں، اس سلسلے میں جناب سید سعادت اللہ حسینی کی کتاب 'خواتین میں اسلامی تحریک' اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے۔اسی طرح جناب ڈاکٹر محی الدین غازی کی ماہنامہ زندگی نو میں شائع ہونے والی حالیہ تحریریں خواتین میں مثبت اور تعمیری کردار کی

بحالی کا ذریعہ بن رہی ہیں۔

یہ تحریکی لٹریچر کے چند اہم روشن پہلو ہے۔ یہ کہا جائے تو بجا ہوگا کہ تحریک نے اسلامی لٹریچر کو زمانے کے تقاضے کے مطابق تیار کیا اور ساتھ ہی اس سلسلے میں مصنفین کی تربیت بھی کی اور اسلامیات کے مطالعے، تحقیق اور تحریر کی نئی روایت قائم کی۔ البتہ وہ کون سے موضوعات ہیں جن پر اب تک سیر حاصل کام نہیں ہوا، یا جن کی جانب ابھی توجہ نہیں دی جا سکی ہے، اس پر غور وفکر اور ناقدانہ نظر وقت کی بڑی ضرورت ہے۔ اس موضوع پر تحریکی مصنفین اپنی قیمتی تحریریں حیات نو کو ارسال کریں تو بڑی نوازش ہوگی۔

محمد انس فلاحی مدنی

۲۰/مارچ ۲۰۲۳ء

صدر انجمن کا پیغام
ماہ رمضان کی مناسبت سے

برادران محترم! ماہ رمضان اپنی رحمتوں اور برکتوں کے ساتھ ہم پر سایہ فگن ہونے جا رہا ہے، اللہ رب العزت سے دعا گو ہوں کہ ہم سب کو صحیح معنوں میں رمضان کی رحمتوں اور برکتوں سے فیضیاب ہونے اور اس موقع پر دین کی خوب خوب خدمت کرنے کی توفیق عنایت فرمائے، واللہ ولی التوفیق۔

برادران عزیز! رمضان کے تعلق سے ملت اسلامیہ کے عوام وخواص کے درمیان یکساں طور سے یہ حقیقت عام کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ ماہ مبارک محض سستا ثواب بٹورنے کا مہینہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک انقلابی مہینہ ہے، حرکت وعمل کا مہینہ ہے، امت کا نقشہ یکسر تبدیل کر دینے والا مہینہ ہے۔

ماہ رمضان کے تعلق سے ملت اسلامیہ کے عوام وخواص کے ذہنوں میں یہ تصور بیٹھا ہوا ہے کہ یہ خوب خوب اذکار ونوافل کا اہتمام کرنے اور خوب خوب ثواب بٹورنے کا مہینہ ہے۔ ماہ رمضان کا یہ ناقص تصور ملت کے لیے نقصاندہ ثابت ہوا ہے۔ اس نے ملت کو جن جن محرومیوں سے دوچار کیا ہے، ان کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اس نے ملت کے درمیان تقوی کا ایک انتہائی محدود تصور عام کر دیا ہے، جس نے نہ صرف رمضان بلکہ اسلام کے پورے نظام عبادت کی روح اور مقصد کو متأثر کیا ہے۔ اس نے ملت کو بیدار کرنے، اور حرکت وعمل کا راستہ دکھانے کے بجائے ملت کو سلا دینے کا کام کیا ہے۔ اس نے ملت کے اندر سے اس احساس اور شعور کو دھیرے دھیرے ختم کر دیا ہے کہ اس کی حیثیت اور ذمہ داری کیا ہے، اور اسے اس زمین پر کیوں برپا کیا گیا ہے، چنانچہ ملت اپنے فرائض اور اپنی ڈیوٹی سے نہ صرف غافل ہوئی، بلکہ بہت دور چلی گئی، اور یہ چیز آج ملت کے لیے بہت نقصان دہ ثابت ہو رہی ہے۔

رمضان کا مہینہ اس لیے آتا ہے کہ ملت کے اندر ایک نئی روح پھونک دے، اسے عزم نو اور

حیات تازہ بخش دے، اس کے اندر اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا زندہ احساس پیدا کر دے۔قرآن مجید میں رمضان کے روزوں کی فرضیت کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ امید ہے تم تقوی اختیار کروگے (**لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ**)۔

یہ تقوی تقاضا کرتا ہے کہ بندہ مومن اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا شعور حاصل کر لے، اور قرآن مجید کی روشنی میں اپنی زندگی کا سفر طے کرنے کا فیصلہ کر لے۔عربوں کے یہاں روزہ کوئی نئی چیز نہیں تھی، بلکہ ان کے یہاں جنگ کے لیے تیار کیے جانے والے گھوڑوں کو کئی کئی دن کے وقفہ سے چارہ دیا جاتا تھا، ایسے گھوڑوں کے لیے وہ لوگ صائم یعنی روزہ دار کا لفظ استعمال کرتے تھے، چنانچہ جب قرآن نے روزے کا حکم دیا تو انہیں اندازہ ہو گیا کہ اب کوئی بڑی مہم قریب ہے، اور ایسا ہی ہوا، جلد ہی قتال کا حکم آ گیا، اور اس کے بعد مہمات کا ایک طویل سلسلہ رہا۔اس طرح دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ:

رمضان کے روزے فرض کیے گئے تا کہ مسلم ملت کو میدان عمل میں سرگرم کر دیا جائے، اور ان کے اندر مقصد زندگی کا گہرا شعور پیدا کیا جائے۔

رمضان کے روزے فرض کیے گئے تا کہ مسلم ملت کی صحیح انداز سے تربیت کی جائے، اور انہیں زندگی کی اعلی قدروں سے روشناس کرایا جائے۔

رمضان کے روزے فرض کیے گئے تا کہ مسلم ملت کے اندر سے دنیا کی محبت اور مال کی طمع ختم ہو، اور وہ آخرت کی سرخروئی اور رب کی رضامندی کو سامنے رکھتے ہوئے زندگی گزاریں اور ہمیشہ دنیا سے کچھ لینے کے بجائے، اس کو کچھ دینے کی پوزیشن میں ہوں۔

رمضان کے روزے فرض کیے گئے تا کہ مسلم ملت کے اندر تعاون باہمی اور محبت و خیر خواہی کا جذبہ پروان چڑھے، اور ان کا معاشرہ احسان اور تکافل اجتماعی کی خالص انسانی بنیادوں پر قائم ہو۔

رمضان کے روزے فرض کیے گئے تا کہ مسلم ملت قرآن مجید سے وابستہ ہو جائے، اور اس کے جملہ احکامات کی بجا آوری کے لیے ہمہ دم تیار رہے۔

رمضان کے روزے فرض کیے گئے تا کہ مسلم ملت اپنے مقصد وجود کو سمجھے اور پیغام الہٰی کی نشر واشاعت کے لیے سرگرم عمل ہو جائے۔

رمضان کا مہینہ احتساب اور منصوبہ بندی، دونوں ہی کے لیے موزوں اور مناسب موقع ہے۔ ضروری ہے کہ اس موقع پر قرآن مجید کی روشنی میں اپنا بھی جائزہ لیا جائے، اور ملت کا بھی۔ انفرادی طور پر اپنے اندر جو کمزوریاں پائی جاتی ہیں ان کے ازالے کی بھی کوشش کی جائے، اور اجتماعی طور پر ملت کے اندر جو کمزوریاں پائی جاتی ہیں انہیں دور کرنے کی بھی کوشش کی جائے۔

آج ملت بحیثیت مجموعی اپنے داعیانہ کردار سے غافل ہے، حالانکہ یہ داعیانہ کردار امت اسلامیہ کی منصبی ذمہ داری بھی ہے اور اس کے بہت سے مسائل کا حل بھی ہے۔

طالب دعا و دعا گو

ابوالاعلی سید سبحانی
صدر انجمن طلبہ قدیم

23-03-2023

رمضان المبارک۔ کچھ گزارشات

محترم فلاحی برادران!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ رب العزت سے دعا گو ہوں کہ ہم سب کو اپنی حفظ وامان میں رکھے اور ہمارے وجود کو ملک وملت کے لیے باعث خیر بنائے۔

ماہ رمضان کے حوالے سے ایک تفصیلی پیغام گزشتہ شام آپ کی خدمت میں ارسال کیا گیا تھا، جس میں ماہ رمضان کے مقصد اور پیغام کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی تھی، تاہم متعدد احباب اور متعلقین نے توجہ دلائی کہ یہ پیغام خالص فکری رہنمائی پر مشتمل ہے، ضرورت ہے کہ عملی رہنمائی پر مشتمل ایک سرکولر بھی فلاحی برادران کے نام جاری کیا جائے، جس میں رمضان کے حوالے سے اور خاص طور پر انجمن کی سرگرمیوں اور مادر علمی کے تعاون کے حوالے سے اہم نکات کی جانب رہنمائی کی گئی ہو، چنانچہ ذیل میں کچھ اہم گزارشات پیش کی جارہی ہیں:

۱۔ ماہ رمضان میں اپنے اپنے مقام اور علاقے میں فلاحی برادران کو منظم کرنے اور باہمی تعلقات کو مستحکم کرنے کی کوشش کریں، اس کے لیے سب سے بہتر اور آسان شکل یہ ہے کہ افطار پارٹی کا اہتمام کریں، انجمن کی مختلف یونٹوں میں افطار پارٹی کی روایت رہی ہے، دیگر مقامات اور یونٹوں پر بھی اس کا تجربہ کیا جانا چاہیے۔

۲۔ ماہ رمضان میں مادر علمی کے سفراء مختلف مقامات کا سفر کرتے ہیں، ان سفراء کے ساتھ تعاون فرمائیں، تعاون کی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں، ہر ممکن طریقے سے اور بڑھ چڑھ کر مادر علمی کے لیے تعاون کرائیں۔ اس موقع کو مادر علمی کے تعارف کا ایک اہم موقع سمجھنا چاہیے، اور سفراء کے ساتھ اپنے یہاں کے بااثر اور صاحب خیر حضرات سے ملاقات کرنے کی کوشش کریں، ساتھ ہی اس بات کی کوشش کریں

کہ مادرعلمی کو ملک کے مختلف مقامات سے اچھے اور ذہین طلبہ فراہم کیے جاسکیں، یہ مادرعلمی کی بڑی خدمت ہوگی، ان شاءاللہ۔

۳۔ ماہ رمضان کے موقع پر اس بات کی کوشش بھی کریں کہ انجمن کے مقامی سے لے کر مرکزی بیت المال تک کو مضبوط کیا جائے، ایک سال کے اندر ان شاءاللہ انجمن کا اجلاس عام بھی ہونا ہے، اس تناظر میں انجمن کو آپ کا خصوصی تعاون درکار ہوگا۔

۴۔ ماہ رمضان کے موقع پر اپنے اساتذہ اور بزرگوں کو اپنی دعاؤں میں خصوصی جگہ دیں، بڑوں بزرگوں کی دعائیں بہت قیمتی ہوتی ہیں، ان سے خود کو محروم نہ رکھیں۔

یہ کچھ ضروری گزارشات تھیں، جو اس موقع پر آپ سب کی خدمت میں پیش کرنی تھیں، اللہ رب العزت، ہم سب کو خیر کی توفیق عنایت فرمائے اور ماہ رمضان کی حقیقی سعادتوں اور برکتوں سے، ہم سب کو ہم کنار فرمائے، آمین یارب العالمین

بقیہ احوال لائق شکر ہیں۔

طالب دعا و دعا گو

ابوالاعلی سید سبحانی

صدر انجمن طلبہ قدیم

24-03-2023

فلاحی اہل قلم سے گزارش

محترم فلاحی برادران!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ رب العزت سے دعا گو ہوں کہ ہم سب کو اپنی حفظ وامان میں رکھے اور ہمارے وجود کو ملک وملت کے لیے باعث خیر بنائے۔ ابھی 28 مارچ کو جامعۃ الفلاح کی مرکزی لائبریری جانے کا اتفاق ہوا۔ الحمدللہ مادرعلمی کی لائبریری مجموعی طور پر ایک شاندار لائبریری ہے، جس میں مختلف زبانوں اور مختلف علوم وفنون پر کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ لائبریری کے ایک سیکشن میں فلاحیوں کی تصنیف وترتیب کردہ کتابوں کو بھی رکھا گیا ہے۔ اس سیکشن میں الحمدللہ متعدد فلاحی برادران کی اہم تصانیف شامل ہیں، جن میں پروفیسر عبیداللہ فہد فلاحی، پروفیسر توقیر عالم فلاحی، ڈاکٹر محی الدین غازی، برادر ذکی الرحمن غازی، اور دیگر احباب اور بزرگوں کی خاصی کتابیں موجود ہیں۔ لیکن اندازہ ہوا کہ یہاں موجود کتابیں فلاحیوں کی کتابوں کی بمشکل بیس فیصد کتابیں ہیں۔ فلاحیوں کے پی ایچ ڈی کے مقالے بھی یہاں موجود ہیں لیکن وہ بھی گنتی کے چند ایک ہیں۔

لہٰذا فلاحی برادران سے گزارش ہے کہ:

☆ اپنی تصنیف وترتیب کردہ کتابیں مادرعلمی کی لائبریری میں ایک یا دو کاپیاں حسب سہولت ضرور ارسال فرمائیں

☆ اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے کی ایک کاپی بھی حسب سہولت مادرعلمی کی لائبریری کے لیے ضرور عنایت فرمائیں۔

☆ کتابیں بھیجنے کے بعد لائبریرین اور انجمن کے آفس سکریٹری برادر عرفان احمد فلاحی صاحب رابطہ کرکے ان کو اطلاع کردیں تاکہ کتابیں اپنے صحیح مقام تک پہنچ جائیں۔ برادر عرفان فلاحی

کا نمبر ہے:9453757380۔

☆ دہلی کے ساتھی راقم (صدر انجمن) سے رابطہ کر کے دہلی میں ہی اپنی کتابیں جمع کرا سکتے ہیں، حیدرآباد کے ساتھی برادر فرحان اجمل فلاحی (سکریٹری انجمن) کے پاس جمع کرا سکتے ہیں، علی گڑھ کے ساتھی ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی سے رابطہ کر کے ان کے پاس جمع کرا سکتے ہیں، مہاراشٹر کے ساتھی مولانا الیاس فلاحی صاحب اورنگ آباد اور مولانا امتیاز فلاحی بھیونڈی کے پاس جمع کرا سکتے ہیں۔

اگر یہ کام بحسن وخوبی انجام پذیر ہوجاتا ہے تو اس سے:

☆ فلاحیوں کی خدمات پر کام کرنے والوں کو بھی آسانی ہوگی۔

☆ مادر علمی کے اساتذہ کو بھی اپنے جامعہ کے فارغین کی خدمات سے کما حقہ واقفیت حاصل ہوتی رہے گی۔

☆ جامعہ کے طلبہ کی بھی اس سے حوصلہ افزائی ہوگی۔

امید کہ اہل قلم فلاحی اس جانب توجہ دیں گے۔ بقیہ احوال لائق شکر ہیں۔

والسلام

طالب دعا

ابوالاعلی سید سبحانی

صدر انجمن طلبہ قدیم

30-03-2023

تراجم قرآن پر ایک نظر

مولانا امانت اللہ اصلاحیؒ کے افادات کی روشنی میں

ڈاکٹر محی الدین غازی
مدیر ماہنامہ، زندگی نو، نئی دہلی

(189) أصحاب المیمنۃ اور أصحاب المشأمۃ کا ترجمہ

قرآن مجید میں کہیں اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال آیا ہے، جس کا ترجمہ دائیں بازو والے اور بائیں بازو والے کیا جاتا ہے۔ البتہ دو مقامات پر أصحاب المیمنۃ اور أصحاب المسأمۃ آیا ہے، شمال کا اصل معنی بائیں طرف اور بایاں بازو ہے، وہ بدنصیبی اور نحوست کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جب کہ مسأمۃ شؤم سے ہے، جس کے اصل معنی بدنصیبی اور نحوست کے ہیں، اور کبھی بائیں کے معنی میں بھی استعمال ہو جاتا ہے۔

خلیل فراہیدی کے الفاظ ہیں: والمشأمۃُ من الشُّؤم، ویقال: رجل مشؤوم۔

یمین اور میمنۃ میں دونوں مفہوم ہیں دائیں بازو اور دائیں طرف کا مفہوم بھی ہے، اور برکت وخوش نصیبی کا مفہوم بھی ہے۔ مقابل کے لحاظ سے اس کا معنی متعین ہوسکتا ہے۔ درج ذیل دونوں مقامات میں سے اول الذکر مقام پر عام طور سے میمنۃ اور مسأمۃ کا ترجمہ یمین اور شمال یعنی دائیں اور بائیں کا کیا گیا ہے، جب کہ ثانی الذکر مقام پر بہت سے مترجمین نے میمنۃ اور مسأمۃ کا ترجمہ خوش نصیبی اور بدنصیبی کیا ہے، اور یہی دونوں مقامات پر زیادہ مناسب ہے۔

فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ۔ وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ۔ (الواقعة: 8۔9)

"دائیں بازو والے، سو دائیں بازو والوں (کی خوش نصیبی) کا کیا کہنا، اور بائیں بازو

والے،تو بائیں بازو والوں (کی بد نصیبی کا) کا کیا ٹھکانا''۔(سید مودودی)

''تو دہنی طرف والے کیسے دہنی طرف والے، اور بائیں طرف والے کیسے بائیں طرف والے''۔(احمد رضا خان)

''پس داہنے ہاتھ والے کیسے اچھے ہیں داہنے ہاتھ والے،اور بائیں ہاتھ والے کیا حال ہے بائیں ہاتھ والوں کا''۔(محمد جونا گڑھی)

''تو داہنے ہاتھ والے (سبحان اللہ) داہنے ہاتھ والے کیا (ہی چین میں) ہیں،اور بائیں ہاتھ والے (افسوس) بائیں ہاتھ والے کیا (گرفتار عذاب) ہیں''۔(فتح محمد جالندھری)

أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ۔(البلد: 18۔19)

''یہ لوگ ہیں دائیں بازو والے،اور جنہوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کیا وہ بائیں بازو والے ہیں''۔(سید مودودی)

''یہ دہنی طرف والے ہیں، اور جنہوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا وہ بائیں طرف والے''۔(احمد رضا خان)

''یہی لوگ صاحب سعادت ہیں،اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو نہ مانا وہ بدبخت ہیں''۔(فتح محمد جالندھری)

''یہی لوگ خوش نصیبی والے ہیں،اور جن لوگوں نے ہماری آیات سے انکار کیا ہے وہ بدبختی والے ہیں''۔(ذیشان جوادی)

''یہی لوگ ہیں دائیں بازو والے (خوش بختی والے) اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا یہ کم بختی والے ہیں''۔(محمد جونا گڑھی)

(۱۹۰) سورۃ الحشر کے بعض مقامات

(۱) لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ۔(الحشر: 8)

اس آیت میں فقراء موصوف ہے اور مہاجرین صفت ہے، اس لحاظ سے ترجمہ ہوگا: مہاجر فقراء، نہ کہ فقیر مہاجرین۔ ایک تو یہ زبان کے قواعد کا تقاضا ہے، دوسرے معنوی لحاظ سے بھی مہاجرین

کی تقسیم مقصود نہیں ہے کہ فقیر مہاجرین کو حصہ دیا جائے اور غیر فقیر مہاجرین کا حصہ نہیں لگایا جائے۔ بلکہ یہ فقر سے دو چار لوگوں کی ایک خاص قسم یعنی مہاجرین اور گویا تمام مہاجرین پر مشتمل ہے، کیوں کہ تمام ہی مہاجرین گھر اور دولت چھوڑ کر آئے تھے۔ اس کا صحیح ترجمہ ہوگا: مہاجر فقیروں کے لیے، یا دوسرے لفظوں میں ان فقیروں کے لیے جو ہجرت کر کے آئے ہیں۔ درج ذیل ترجموں میں آخری ترجمہ قواعد کے مطابق ہے:

''ان محتاج مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنی املاک سے نکالے گئے ہیں''۔ (امین احسن اصلاحی)

''(نیز وہ مال) اُن غریب مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال باہر کیے گئے ہیں''۔ (سید مودودی)

''ان فقیر ہجرت کرنے والوں کے لیے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے''۔ (احمد رضا خان)

''(فیء کا مال) ان مہاجر مسکینوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں''۔ (محمد جونا گڑھی)

(۲) وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ۔ (الحشر: 9)

اس جملے کے ترجمے دیکھتے ہوئے دو مقامات پر غور کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے۔

ایک ہے ''والایمان'' کا ترجمہ، کیوں کہ گھر کو ٹھکانا بنانا تو واضح ہے، مگر ایمان کو ٹھکانا بنانا واضح نہیں ہو پاتا ہے، بعض لوگوں نے تو یہی ترجمہ کر دیا ہے، کہ ایمان میں گھر بنالیا، اور بعض لوگوں نے کوئی فعل محذوف مان کر ترجمہ کیا ہے، جیسے ایمان کو استوار کرنا۔ مولانا امانت اللہ اصلاحی یہاں واو کو معیت بتانے والا مان کر ترجمہ کرتے ہیں: ''اور ایمان کے ساتھ جو لوگ پہلے سے بسے ہوئے ہیں''۔ یعنی مدینہ منورہ میں ہجرت سے پہلے سے مقیم اہل ایمان یعنی انصار مدینہ۔ علامہ طاہر بن عاشور نے اس توجیہ کا ذکر کیا ہے، اور کہا ہے کہ اگر چہ اس کے قائلین کم ہیں، مگر یہ سب سے اچھی توجیہ ہے۔

وقيل الواو للمعية۔ والإيمان مفعول معه. وعندي أن هذا أحسن الوجوه، وإن

قل قائلوہ ۔(التحریر والتنویر)

دوسرا غور طلب مقام (والذین) کا ترجمہ ہے۔ یہاں مفسرین اور مترجمین والذین کو **للفقراء المهاجرين** پر معطوف قرار دے کر یہ مفہوم نکالتے ہیں کہ مہاجرین کی طرح یہ انصار بھی مال فیء میں حصہ دار ہیں۔اس کے لحاظ سے ترجمہ کرتے ہیں: ''اور یہ ان کے لیے بھی ہے جو۔۔۔'' مولانا امانت اللہ اصلاحی کا خیال ہے کہ یہ اس پر معطوف نہیں ہے، ورنہ وللذین ہونا چاہیے تھا۔ کیوں کہ درمیان میں طویل فصل ہوگیا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ **يحبون من هاجر اليهم** بظاہر والذین کی خبر ہے، گو کہ لوگوں نے اسے حال مانا ہے، اور کچھ مترجمین نے تو اس سے پہلے (اور) مان کر ترجمہ کیا ہے۔ لیکن اس سب میں تکلف معلوم ہوتا ہے۔آیت میں صاف ظاہر ہوتا ہے کہ والذین مبتدأ ہے اور یحبون اس کی خبر ہے۔ دراصل مال فیء کا مسئلہ تو فقیر مہاجرین تک مکمل ہوگیا، اور چونکہ مہاجرین کے اوصاف بتائے گئے تو مناسبت تھی کہ انصار کے اوصاف کا ذکر بھی ہو، اور بعد والوں کے اوصاف بھی بیان کیے جائیں۔ یہ بات خود اس آیت میں مذکور ہے کہ مہاجرین کو جو دیا جاتا ہے اس کے سلسلے میں یہ انصار کوئی خلش محسوس نہیں کرتے، اس سے خود معلوم ہوا کہ مال فیء میں شروع میں مذکور مدات کے علاوہ عمومی طور سے صرف مہاجرین کے لیے حصہ رکھا گیا تھا۔غرض ترجمہ ہوگا: ''اور جو لوگ ایمان کے ساتھ پہلے سے بسے ہوئے ہیں، وہ محبت کرتے ہیں ان سے جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے''۔

اس وضاحت کی روشنی میں درج ذیل ترجمے ملاحظہ فرمائیں:

''اور جو لوگ پہلے سے ٹھکانے بنائے ہوئے ہیں، اور (ایمان استوار کیے ہوئے ہیں) وہ دوست رکھتے ہیں ان لوگوں کو جو ان کی طرف ہجرت کر کے آرہے ہیں''۔(امین احسن اصلاحی)

''(اور وہ اُن لوگوں کے لیے بھی ہے) جو اِن مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دارالہجرت میں مقیم تھے یہ اُن لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے اِن کے پاس آئے ہیں''۔ (سید مودودی)

''اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنالیا دوست رکھتے ہیں انہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے گئے''۔(احمد رضا خان)

''اور (ان لوگوں کے لیے بھی) جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (یعنی مدینے) میں

مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے (اور) جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں''۔(فتح محمد جالندھری)

''اور (ان کے لیے) جنہوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے اور اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں''۔(محمد جونا گڑھی)

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ۔ (الحشر:10)

گزشتہ مقام کی طرح اس مقام پر بھی اہل تفسیر وترجمہ نے یہ مان لیا ہے کہ یہاں بھی والذین للفقراء المھاجرین پر معطوف ہے، اور گویا یہ بھی مال فیء کے حصے دار ہیں، حالانکہ یہاں بھی صاف نظر آتا ہے کہ والذین مبتدأ ہے اور یقولون اس کی خبر ہے، جیسا کہ درج ذیل ترجموں میں آخری ترجمہ میں ہے:

''(اور وہ اُن لوگوں کے لیے بھی ہے) جو اِن اگلوں کے بعد آئے ہیں، جو کہتے ہیں کہ ''اے ہمارے رب، ہمیں اور ہمارے اُن سب بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں''۔(سید مودودی)

''اور (ان کے لیے بھی) جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما''۔(فتح محمد جالندھری)

''اور جو ان کے بعد آئے (ان کا بھی اس مال میں حصہ ہے) جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے جنہوں نے ایمان لانے میں ہم پر سبقت کی''۔(محمد جونا گڑھی)

''اور وہ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے''۔(احمد رضا خان)

مطالعاتِ معاش نبوی ﷺ: ایک تجزیاتی مطالعہ

محمد انس فلاحی مدنی

رسول اللہ کی زندگی کے ہر پہلو پر نامور سیرت نگاران نے نہایت سلیقے سے مدلل ومستند مواد مرتب کیا ہے۔ رسول اللہ کا بچپن، جوانی، نبوت کا آغاز، مکی دور، مدنی دور، وصال نبوی ﷺ اور شمائل نبویؐ وغیرہ۔ دنیا کی تقریباً ہر زبان میں سیرت نبوی ﷺ پر مواد موجود ہے۔ نبی ﷺ کی معاشی زندگی کیسی گزری؟ آیا رسول اللہ ﷺ کی زندگی آسودگی کے ساتھ گزری یا پھر آپ ﷺ سخت حالات سے دوچار رہے۔ اس پر ہمارے یہاں باضابطہ کام کی ابتداء بیسوی صدی کے نصف آخر میں شروع ہوئی۔ یہی وجہ رہی کہ رسول ﷺ کی معاشی زندگی کے بارے یہ تصور رعام ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ سخت معاشی تنگی کا شکار رہے۔ آپؐ کے گھر میں کئی روز فاقہ رہتا ہے، کئی کئی دن چولہا نہیں جلتا تھا۔ اس سلسلے منقول کی روایات کی غیر درست تفہیم نیز فقر وغنا کے معدوم اسلامی تصور نے مہمیز کا کام کیا۔

رسول اللہ ﷺ کی معاشی پوزیشن پر کتب سیرت میں جائزہ لیا جائے تو نہایت کم مواد یکجا ملتا ہے۔ اس سلسلے میں عربی اور اردو دونوں باضابطہ کوئی کام نہیں ہوا ہے۔ ایک کتاب ''ترکۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم والسبل التی وجھھا فیھا'' مؤلفہ حماد بن إسحاق بن إسماعیل (و: 269ھ) اکرم ضیاء العمری نے اپنی تحقیق سے شائع کی ہے۔ اس میں آپؐ کے اثاثے؛ سواریاں، گھوڑے، اونٹ، بکریاں، جنگی ساز وسامان اور خدام کی تفصیلات ملتی ہیں۔

اردو زبان میں اس سلسلے میں پہلی کوشش ڈاکٹر حمید اللہؒ (و: 2002ء) کی دیکھنے کو ملتی ہے۔ انھوں نے اپنے خطبہ ''عہد نبوی میں نظام مالیہ وتقویم'' (۱) میں نبیؐ کی معاشی زندگی پر گفتگو کی ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ مدینہ کے ابتدائی ایام میں مدینہ کے انصار جو کسان تھے اور زراعت پیشہ تھے، ان میں سے اکثر نے جو کافی مال دار تھے، اپنے باغوں میں ایک ایک درخت کو نشان زدہ کر دیا تھا کہ اس کا پھل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوگا۔ مالِ غنیمت، ہدایا اور مخیریق کی جائداد آپؐ کی معاشی آسودگی کا سبب ہوئی۔

البتہ اس پر مستند و مدلل اور کسی قدر مفصل کام پروفیسر یٰسین مظہر صدیقیؒ (و:2020ء) نے کیا ہے۔ انھوں اپنے تحقیقی مقالات میں معاشِ نبوی ﷺ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ یہ مقالات بعد میں ''معاش نبوی صلی اللہ علیہ وسلم'' (۲) کے نام سے شائع ہوئے۔ 172 صفحات پر مشتمل اس تحقیقی کتاب میں پہلی بار رسول اللہؐ کی معاش زندگی پر عالمانہ اور محققانہ گفتگو کا آغاز ہوا۔ مکی عہد اور مدنی عہد دونوں علیحدہ علیحدہ تذکرہ کیا گیا ہے۔ مکی عہد میں؛ خاندانی ترکہ، رضاعت نبوی، کفالت والدہ ماجدہ، کفالت جد امجد، کفالت عم/ اعمامِ نبوی، اولین خود کفالتی، تجارت نبوی، تجارت و دولت حضرت خدیجہ، معاش نبوی سے متعلق چند تاریخی روایات اور مسلم ہدایا و خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مصنف مرحوم کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبیؐ کی مکی زندگی میں اس بات کے بہ کثرت شواہد ملتے ہیں جو اس بات کی تائید و توثیق کرتے ہیں کہ آپؐ کی معاشی زندگی خوش حال تھی۔ آپؐ کو ترکہ بہت مال تو نہیں ملا تھا البتہ وہ وراثت بقدر کفاف ضرور تھی۔ آپؐ کی معاشی آسودگی میں حضرت خدیجہؓ کا دولت کا وہ دخل نہیں جو بالعموم ہمارے سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے؛ بلکہ آپؐ حضرت خدیجہ سے پہلے بھی تجارت کرتے تھے اور تجارت میں اپنی خوبیوں سے منفرد پہچان بنا چکے تھے۔ تاریخی روایات کی روشنی میں وہ یہ بات پیش کرتے ہیں کہ آپؐ نے جب حضرت خدیجہ سے شادی کی تھی تو کھانے پینے کے انتظام کے علاوہ اپنے سسرالی رشتہ دار و کو حلہ/لباس پہنائے اور حضرت خدیجہ کو بیس ''بکرہ'' (اونٹنیاں) مہر میں دیں۔ بعد میں ہجرت مدینہ کے قریب حضرت سودہ اور حضرت عائشہ سے نکاح کیا تو ان کو فی کس چار سو پانچ درہم مہر دیا تھا اور ظاہر ہے کہ ولیمہ بھی کیا تھا اور ان کے کفاف کا انتظام بھی۔ (۳)

مدنی دور میں معیشت نبویؐ کا جائزہ پیش کرتے ہوئے انھوں نے سب سے پہلے فقر و غنا کا اسلامی تصور پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اجتماعی زندگی میں معاشی فارغ البالی اور فقر و فاقہ سے اجتناب و حفاظتِ اسلام میں پسندیدہ ہے۔ اصل یہ ہے کہ وسائلِ دولت کا حصول وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اور احادیثِ نبوی میں صحیح غنا اور جائز دولت مندی کو فضل الٰہی قرار دیا گیا ہے کہیں بھی فقر و فاقہ کو بہ طور اصولِ معاش ممدوح نہیں سمجھا گیا۔ (۴) ان کی اس بحث کا خلاصہ یہ ہے غیر اسلامی اور انسانی فطرت

کے تجاوزات نے تقریباً تمام انسانی معاشروں میں معاش کے باب میں افراط وتفریط پر مبنی رویہ پیدا کیا۔ چند روایات کی بنا پر یہ قطعی فیصلہ صادر کردیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بالخصوص اور صدر اسلامی کے مسلمان بالعموم فقر و فاقہ کی زندگی گزارنا مطلوب اور عین تقاضائے اسلام سمجھتے تھے اور دولت مندی اور فارغ البالی سے عمداً اجتناب کرتے تھے۔

مدنی دور میں معاش نبویؐ کے ذرائع میں انھوں نے مدراتِ انصار، ماکولات ومشروبات کے ہدایا، صحابہ کرام کے گھر دعوتیں، مہمات کے دوران ہدایا صحابہ اور نبوی انتظاماتِ طعام پر روایات و آثار کی روشنی میں بحث کو مدلل کیا ہے۔ انھوں نے نبوی ولیمے اور دعوتیں، مویشی، اموال غنیمت، ملبوسات، سواری کیجا نور غلامان نبوی کی کفالت، نبوی ملکیت آراضی کی روشی اس بحث کو مزید مدلل ومستند کیا ہے کہ آپؐ کے مالی حالات اچھے تھے۔ آپؐ نے خوش حال زندگی گزاری، آپؐ کی ازواج مطہرات کے لیے سالانہ اخراجات خیبر سے پورے کیے جاتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معاشی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ آپؐ کے گھر سے کوئی سائل خالی ہاتھ نہیں لوٹتا، کوئی بھوکا سیر ہوئے بغیر رخصت نہیں ہوتا۔ وہ بدو اعرابی جو سات بکریوں کا دودھ پی گیا، اس کی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خوب ضیافت کی۔ آپ صحابہ کرامؓ کو ہدایا بھی تقسیم کرتے تھے۔ ان تمام امور کی انجام دہی اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب آپؐ کی معاشی پوزیشن مضبوط و مستحکم ہو۔ نبیؐ کے آمدنی کے دو بنیادی ذرائع تھے۔ ایک تجارت دوسرا مال غنیمت و فے اور ہدایا وغیرہ۔

اس سلسلے میں ایک کتاب پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری نے ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معاشی زندگی'' (۵) کی ہے۔ اس کتاب کو قبولیت عام وخاص کی بنا پر پاکستان میں صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ دس ابواب پر مشتمل اس کتاب میں نہایت تفصیل سے آپؐ کی معاشی زندگی پر گفتگو کی گئی ہے۔ اس میں اراضی غنیمت؛ خیبر، فدک، وادی القری اور تیما کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ غزوات وسرایا کے اخراجات بھی زیر بحث آئے ہیں۔ اس میں بوقت رحلت آپؐ کے معاشی حالات، ترکہ اور آپؐ کے معاشی اسوہ حسنہ کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ آپؐ کے تین متروکات؛ 1۔ زمین 2۔ سواری کے جانور 3۔ ہتھیار اس کے بارے میں مصنف کہتے ہیں کہ یہ اموال مسلمانوں کے لیے وقف تھے۔ زمین تو

آپؐ نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی وقف کر دی تھی۔ سواری کے جانور اور اسلحہ بعد میں وقف کیے گئے۔ خیبر، وادی تیما، وادی القریٰ، فدک اور مدینہ منورہ کے باغات۔ ان کی پیداوار محتاجوں، فقراء، مسافروں اور مسلمانوں کی فلاح کے لیے وقف تھی۔ صرف خیبر کی پیداوار کا ایک تہائی آپؐ اپنے اہل وعیال کے سالانہ اخراجات کے لیے لیا کرتے تھے اور اس میں سے بھی جو بچ جاتا وہ غریب مہاجرین کی کفالت پر خرچ کیا جاتا۔

مصنف نے آپؐ کے بارے منقول روایات کہ دو دو مہینہ گھر چولہا نہیں جلتا تھا۔ آپؐ نے وراثت میں کچھ نہیں چھوڑا اس تعلق سے یہ لکھا ہے کہ آپؐ کا یہ فقر اختیاری تھا اور آپؐ نے وراثت اس لیے نہ چھوڑی کہ انبیاء کرامؑ درہم و دینار نہیں چھوڑا کرتے۔ آپؐ کے معاشی اسوہ حسنہ کے ذیل میں محنت سے کمانا، حلال اور حرام کی تمیز، سخاوت اور فیاضی، زہد اور قناعت پسندی اور فقراء سے اور ان کی معاشی کفالت کا ذکر کیا ہے۔

اسی موضوع پر ایک کتاب ''معیشت نبوی ﷺ'' (۶) جناب سید فضل الرحمٰن نے تالیف کی ہے۔ 161 صفحات پر مشتمل اس کتاب میں نبیؐ کی معاشی زندگی، مکی عہد اور مدنی عہد میں ذرائع آمدن، اور عہد نبوی ﷺ کے نظام معیشت کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی عہد طفولیت کو دیکھیں تو معلوم ہوتا کہ آپؐ حضرت حلیمہ سعدیہ کے بچوں کے ساتھ بکریاں چراتے تھے۔ آپؐ کو اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ سے وراثت ملی، آپؐ نے تجارت کی، مال غنیمت ملا، مخیریق کا ہدیہ ملا۔ آپؐ کے معاشی ذرائع کیا تھے اس کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔ اس میں بھی فاضل مصنف نے معاشی تنگی کی روایتیں کے عنوان سے کئی احادیث ذکر کی ہیں۔ ان سے ظاہر ہونے والا عام تاثر کہ خوش حالی اور فراخ دستی کی جگہ آپؐ کو ہمیشہ فقر و فاقہ اور تنگ دستی کا سامنا رہا ہے کی نفی کی ہے وہ کہتے ہیں: ''ان روایتوں میں یہ بتانا مقصود ہے کہ آپؐ کے اہل خانہ نے مسلسل جو اور گیہوں کی روٹی نہیں کھائی۔ البتہ کھجور، دودھ، گوشت، گھی، سرکہ وغیرہ اشیاء خوردونوس آپؐ کے گھر میں بھی ہوتی تھیں اور مہاجرین و انصار بھی یہ اشیاء آپؐ کو ہدیتاً بھیجتے رہتے تھے۔ اس لیے خوراک کا مسئلہ نہ تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ پہننے، اوڑھنے اور بچھانے کے کپڑے بھی ہدیتاً آتے رہتے تھے۔ لہٰذا آپؐ کے بارے میں تنگ دستی اور فاقہ کشی کا تاثر صحیح نہیں۔'' (۷) یہ بات خلاف عقل بھی

ہیے کہ جاں نثار صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں آپ ؐتنگ دستی اور فاقہ کشی کا شکار رہوں۔

عالم عرب کے محقق ڈاکٹر عبدالفتاح السمان (پ: دمشق 1966) نے بھی اقتصاد نبویؐ کے متعدد گوشے اجاگر کیے ہیں۔ نبیؐ کی معاشی زندگی پر ان کے متعدد مقالات ان کی ویب سائٹ (۸) پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان مقالات میں ''**حقیقة زهد النبي ﷺ، كان ﷺ ثرياً منفقاً ..لا فقيراً فاقداً، رهن الدرع ..جولة بين الحديث والحادثة، فقر النبي ..سُنَّة لنا أو خصوصية له؟، الاقتصاد النبوي ..العملاق الغائب، وما المشكلة إن كان نبيكم فقيراً؟**'' اور **الفقر في الإسلام ..نعمة أو نقمة؟**! اس موضوع پر انھوں ماجستیر کا رسالہ ''**تعامل النبي مع أمواله مصادر أموال النبي صلى الله عليه وسلم**'' ڈاکٹر محمد شریف الصواف کی نگرانی میں لکھا ہے۔ اس میں انھوں نے مال او فقر و غنا کے تعلق سے اسلامی نقطہ نظر کی وضاحت، معاش کے لیے رسول اللہؐ کی جدوجہد، آپؐ کے ذرائع آمدنی اور اخراجات کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ 300 صفحات پر مشتمل اس کتاب میں اقتصاد نبویؐ پر نہایت شرح و بسط سے بحث کی گئی ہے۔ انھوں نے یہ نبیؐ کے درج ذیل ذرائع آمدن ذکر کیے ہیں۔

1۔ والدین کی میراث: برکہ، پانچ اونٹ، بکریاں، غلام اور اس کا بیٹا اور گھر

2۔ تجارت: جو آپؐ نبوت سے قبل اور نبوت کے بعد بھی کرتے رہے۔

3۔ حضرت خدیجہ کی وراثت: جس میں گھر اور مال ملا تھا۔

4۔ جہاد میں شریک ہونے پر ہر مجاہد کو ملنے کا والا حصہ آپؐ کو بھی ملتا تھا۔

5۔ مال فیئ: جو بغیر جنگ کے حاصل ہوا۔ اس میں بنو نضیر کی زمین، فدک کے باغات کا نصف، خیبر کے تین قلعے (الکتیبہ، الوطیح، اور السلالم) اور ایک تہائی وادی القری کی زمین

6۔ صفی: آپؐ اگر کسی غزوہ میں شریک ہوتے تو مال غنیمت میں تقسیم سے قبل کچھ لیتے اور تقسیم کے بعد تمام مسلمانوں کے بقدر ایک حصہ لیتے تھے۔ اگر جنگ میں شریک نہیں ہوتے تو ''صفی'' نہیں لیتے تو پھر صرف ایک ہی حصہ لیتے تھے۔

7۔ اللہ تعالیٰ نے معجزاتی طور پر آپؐ کے کھانے میں برکت دی تھی۔ کم مقدار میں ہی بڑی تعداد سیر ہو جاتی تھی۔

8۔انفال اور غنائم: آپؐ 28 غزوات اور 37 سرایا میں شریک ہوئے اس سے ملنے والا مال غنیمت آپؐ کے لیے بڑا سہارا تھا۔

9۔ہدایا: مخیریق نے اپنی جائداد آپؐ کے لیے وصیت کردی تھی۔اس کا ذکر اوپر بھی گزر چکا ہے۔

وراثت

آپؐ کے والد ماجد حضرت عبداللہ،حضرت عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔حضرت عبداللہ تجارت کرتے تھے،آخری سفر تجارت کی غرض سے شام گئے،واپسی میں بیمار ہوئے تھے،مدینہ میں آکرٹھہر گئے اور ایک ماہ کے بعدان کا انتقال ہوگیا۔انتقال کے وقت حضرت عبداللہ نے پانچ اونٹ، چند بکریاں اور ایک کنیزجن کی ام ایمن اور نام برکہ تھا،ترکہ میں چھوڑا۔یہ سب آپ کو ملا۔ایک روایت کے مطابق حضرت عبداللہ نے شادی کے بعد حضرت آمنہ کو جو گھر دیا تھا وہ بھی آپ کو ملا۔ایک موقع پر اس گھر کا تذکرہ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے کیا تو رسول اللہ نے فرمایا:وَهَلْ تَرَكَ عَقِيلٌ مِنْ رِبَاعٍ أَوْ دُورٍ(۹)

بکریاں چرائیں

آپ کو دادا عبدالمطلب کے بعد چچا حضرت ابوطالب کی سرپرستی حاصل ہوئی۔انھوں نے آپ کی غیر معمولی نگہداشت کی جہاں بھی جاتے آپ کو ساتھ لے کر جاتے۔حضرت ابوطالب کی معاشی حالت اچھی نہ تھی۔آپ نے اپنے چچا کا ہاتھ بٹانے کی کوشش کی حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا إِلَّا رَعَى الغَنَمَ، فَقَالَ أَصْحَابُهُ: وَأَنْتَ؟فَقَالَ:نَعَمْ، كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلَى قَرَارِيطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ(۱۰)''کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائیں ہوں۔صحابہ نے عرض کیا کہ آپ نے بھی؟ آپ نے فرمایا:ہاں میں قراریط کے عوض مکہ والوں کی بکریاں چراتا تھا۔''

تجارت

جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی آپ ﷺ نے تجارت کا آغاز کیا۔اپنے بچپن میں اپنے چچا

زبیر بن عبدالمطلب اور ابو طالب کے ساتھ کم از کم یمن و شام کے سفر کیے تھے۔ تاریخی آثار وافکار کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے اٹھارہ بیس سال کی عمر شریف میں تجارت کا آغاز کیا ہوگا۔

آپ کی تاجرانہ صلاحیت ولیاقت کا شہرہ ہوا تو حضرت خدیجہ نے اپنا سامانِ تجارت شام میں فروخت کرنے کے لیے مضاربت پر معاہدہ کر لیا۔ پروفیسر یٰسین مظہر صدیقیؒ اس بابت کہتے ہیں کہ عجیب بات ہے ہمارے تقریباً تمام قدیم وجدید مصادر آپ کی تجارت کا ذکر حضرت خدیجہ بنت خویلد اسدی سے شادی اور ان کی تجارت میں مضاربت کا نقطہ آغاز تھا۔ آپ کا وہ سفرِ تجارت جو حضرت خدیجہ کے مال کے ساتھ اور ان کے غلام میسرہ کی معیت میں آپ نے شام، بصریٰ کا کیا تھا۔ روایات کے اختلاف کے مطابق جب آپ کی عمر مبارک بیس سے اوپر پچیس ہوگئی۔(۱۱) زمانہ جاہلیت میں عبداللہ بن السائب نے آپ کے ساتھ تجارت میں شرکت کی تھی۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح

اوپر یہ اس بات کی صراحت ہو چکی ہے کہ نبیؐ نے اپنی نوجوانی کی عمر میں تجارت کا آغاز کر دیا تھا۔ حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ نے آپؐ کے حسن معاملہ واخلاق اور تاجرانہ مہارت کا ذکر حضرت خدیجہ سے کیا تھا۔ آپؐ تاجر کی حیثیت سے مشہور ہو چکے تھے۔ حضرت خدیجہ بیوہ تھیں، آپؐ کے حسن کردار سے متاثر ہوئیں اور پیغام نکاح بھیج دیا۔ جب آپؐ کو پیغام نکاح موصول ہوا تو آپؐ نے اپنے چچاؤں سے اس بات کا تذکرہ کیا، چنانچہ آپؐ کے چچا حمزہ بھی ہمراہ تھے، آپؐ خویلد بن اسد کے گھر آئے تو خولہ نے ان سے نکاح کر دیا۔ بیس اونٹ مہر مقرر ہوا۔(۱۲)

بیس اونٹ مہر مقرر ہونا اور اس کی ادائیگی اسی صورت میں ممکن تھی جب آپؐ کی مالی حالت مضبوط و مستحکم ہو۔ یہ واقعہ اس بات کی مزید توثیق کر دیتا ہے کہ نبیؐ حضرت خدیجہ سے شادی قبل ہی اپنی معاشی پوزیشن مضبوط کر چکے تھے۔ البتہ یہ کہنے کی گنجائش ضرور ہے کہ حضرت خدیجہ کے مال نے آپؐ کو مزید قوت بخشی۔

نبوت ملنے کے بعد آپؐ جب گھر پہنچے تو پریشانی کی حالت میں حضرت خدیجہ سے یہ فرمایا: مجھے چادر اُڑھاؤ، مجھے چادر اُڑھاؤ۔ اس میں موقع پر حضرت خدیجہؓ نے نبیؐ کو تسلی دینے کے لیے جو الفاظ کہے وہ ملاحظہ فرمائیں: کلا واللہ ما یخزیک اللہ أبدا، إنک لتصل الرحم، وتحمل الکل،

وتکسب المعدوم، وتقری الضیف، وتعین علی نوائب الحق (۱۳) ''خدا کی قسم آپ کو اللہ کبھی رسوانہیں کرے گا، آپؐ تو اخلاق فاضلہ کے مالک ہیں، آپ تو کنبہ پرور ہیں، بے کسوں کا بوجھ اپنے سر پر رکھ لیتے ہیں، مفلسوں کے لیے آپ کماتے ہیں، مہمان نوازی میں آپ بے مثال ہیں اور مشکل وقت میں آپؐ امر حق کا ساتھ دیتے ہیں۔''

بے کسوں اور محتاجوں کی مدد اور دادرسی اسی صورت میں کی جاسکتی ہے جب آپ کے پاس اپنے اخراجات کے علاوہ زائد سرمایہ ہو۔ حضرت خدیجہؓ کے ان الفاظ سے بھی اشارہ ہوتا ہے کہ نبیؐ نبوت سے قبل مضبوط معاشی پوزیشن کے مالک تھے۔ کمزوروں اور محتاجوں کی مدد آپؐ کا وظیفہ حیات تھا۔

آپؐ کا اثاثہ

امام ابن قیمؒ نے پنی کتاب زادالمعاد میں آپؐ کے جنگی سامان، اثاثہ، سورایاں اور کپڑوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

آپؐ کے پاس نو تلواریں تھیں ایک کا نام ماثور تھا، جو آپؐ کو والدین کی طرف سے وارثت میں ملی تھی۔ دوسری عضب، تیسری ذوالفقار، جسے نبیؐ ہر وقت اپنے پاس رکھتے تھے اور کسی وقت بھی الگ نہ کرتے تھے۔ اس تلوار کا دستہ اور دیگر تمام لوازمات چاندی کے تھے۔ ان کے علاوہ آپؐ کے پاس قلعی، بتار، حنف، دسوب، مخذم، قضیب نام کی تلواریں تھیں۔ اس کے علاوہ سات زرہیں، چھ کمانیں، دو ڈھالیں، پانچ نیزیں، جہاد کے موقع پر پہنے جانے والے تین جبے بھی تھے۔ (۱۴)

آپؐ کے پاس کل سات گھوڑے تھے۔ آپؐ کے پاس پینتالیس جوان اونٹنیاں تھیں۔ آپؐ کے پاس ایک اور اونٹنی تھی، جسے سعد بن عبادۃ نے بنی عقیل کے قبیلہ والوں سے لے کر ارسال خدمت کیا تھا۔ آپؐ کے پاس ایک سو بکریاں تھیں۔ آپؐ نہیں چاہتے تھے کہ اس میں اضافہ ہو چنانچہ کوئی بچہ پیدا ہوتا تو آپؐ ایک جواب بکری ذبح کر دیتے تھے۔ نیز آپؐ کے پاس سات پہاڑی قسم کی بکریاں تھیں، جنہیں حضرت ام ایمن چرایا کرتی تھیں۔ (۱۵) امام ابن قیمؒ نے آپؐ کی باندیوں اور لونڈوں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

مخریق کے باغات

مخیریق بنی قینقاع کے یہودی تھے۔ امیر ترین آدمی تھے۔ آپؐ سے انتہائی عقیدت رکھتے

تھے۔ بہت دولت مند بھی تھے۔ ان کے سات باغات تھے۔ وہ آپؐ کے ساتھ غزوہ احد میں شریک ہوئے۔ انھوں نے غزوہ میں شرکت کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ اگر وہ فوت ہوجائیں تو ان کے باغات آپؐ کی ملکیت ہوں گے۔ وہ اس غزوہ میں قتل ہوگئے اور ان کے باغات آپؐ کی تحویل میں آ گئے۔ ان باغات کی مالیت اور پیداوار کی آمدنی سے آپؐ کی معاشی حالت مضبوط ہوئی ہوگی۔(۱۶)

ہدایا

آپؐ کو صحابہ کرامؓ اور امراء ہدیے دیا کرتے تھے۔ ان ہدایا میں ماکولات، مشروبات اور آراضی کے عطایا بھی ہوتے تھے۔ صحابہ کرامؓ آپؐ کو کھانے کے ہدایات کس کثرت سے بھیجا کرتے تھے۔ اس کا اندازہ روایات سے ہوتا ہے۔ حضرت اسد بن زرارہؓ اپنی وفات تک ایک دن کے ناغہ سے برابر کھانے کا ایک بڑا پیالہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجتے رہے۔ حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ ہم بنو مالک بن نجار کے ہاں تھے۔ ہر رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر کھانے کے تین چار پیالے آتے تھے اور انھوں نے آپس میں اپنی باریاں بنالی تھیں۔(۱۷)

حضرت سعد بن زرارہ نے آپؐ کو چرپائی جس کے پائے ہاتھی کے دانت کے بنے ہوئے تھے بطور تحفہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔(۱۸)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری پر جب مسلمانوں کے لیے مسجد کے قیام کی ضرورت پیدا ہوئی تو وہی احاطہ جو سہل اور سہیل کا تھا وہاں مسجد نبوی تعمیر کرنے کی تجویز ہوئی۔ حضرت اسعد نے یہ مخلصانہ پیشکش کی کہ ان دونوں بچوں کو میں راضی کرلوں گا، یہ زمین مسجد کے لیے قبول کر لی جائے اور اس کے عوض انھوں نے بنی بیاضہ والا اپنا باغ پیش کردیا۔(۱۹) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رقم دیئے بغیر وہ قطعہ زمین قبول کرنے پر رضامندی نہیں فرمائی۔

اخراجات

نبیؐ کے آمدنی کے ذرائع یا کل مالیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی حیات میں امہات المومنین کے تمام اخراجات پورے کرتے تھے۔ آپؐ نے اپنی تمام بیویوں کے لیے خیبر کے باغات اور زرعی زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی کی تقسیم اس طرح کر رکھی

تھی۔ تمام امہات المومنین کے لیے کھجور اور جو کے سو وسق مقرر کر دیے تھے۔ 80 وسق کھجور اور 20 وسق جو۔ موجودہ میزان کے حساب 15 کلو600 گرام ہوتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے آپؐ اپنی وفات کے اپنی ازواج مطہرات کو اس حال میں چھوڑ کر جائیں کہ ان کے لیے کوئی مالِ وراثت نہ ہو، انھیں کسی کا سہارا نہ ہو۔ اس پر مستزاد یہ کہ آپؐ کی بیویوں کے نکاح اور صدقہ حرام کر دیا گیا تھا۔ آپؐ کی وفات کے بعد بھی ان کے لیے مستقل آمدنی کا ذریعہ تھا۔ کسی روایت میں یہ نہیں ملے گا کہ آپؐ کی بیویاں آپؐ کی وفات کے بعد تنگ دستی کا شکار رہیں۔ آپؐ نے اپنی تمام بیویوں کے ماہانہ اخراجات کا نظم کیا تھا۔ آپؐ کے خدام بھی آپؐ کے ہی زیر کفالت تھے۔ اتنی بڑی تعداد کا ماہانہ خرچ رہا ہوگا۔ یہ خود اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نبیؐ معاشی طور پر آسودہ تھے۔

معاش نبویؐ پر مرتب اور منتشر مواد، نبیؐ کے ذرائع اور اخراجات کے مطالعے و جائزے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ رسول اللہؐ خود کفیل تھے۔ آپؐ نے ابتدائے جوانی میں ہی تجارت شروع کی اور کامیاب تجارت کی۔ محنت سے روزی حاصل کی۔ آپؐ کے ساتھ دوسرے تجارت بھی شریک رہے۔ مدنی زندگی میں آپؐ سات ماہ انصار کے مہمان رہے۔ انصار نے آپؐ کی خاطر و مدارت میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ اسد بن زرارہؓ اور سعد بن عبادہؓ کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ مخیریق کی جائداد اور غزوات و سرایا سے حاصل شدہ مالِ غنیمت نے آپؐ کے لیے مزید سہارے کا کام کیا۔ آپؐ اپنے مال کا کچھ حصہ اہل خانہ کے لیے رکھتے تھے اور باقی حصہ ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ کوئی سائل آپؐ کے دروازے سے خالی نہیں جا تا تھا۔ آپؐ ہدیہ قبول بھی کرتے تھے اور ہدیہ دیتے بھی تھے۔ آپؐ نے اپنی ازواج مطہرات کے علیحدہ علیحدہ رہائش کا نظم کیا تھا۔ آپؐ نے اپنے خدام کی بھی کفالت کی۔ کھانے پر آپؐ کے ساتھ کئی صحابہ موجود ہوتے تھے۔ خیبر سے موصول ہونے والی کھجور اور جو میں ازواج مطہرات کا حصہ متعین تھا۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ نبیؐ اپنے مال کا بیشتر حصہ زیر کفالت خدام، فقراء اور مساکین پر خرچ ہوتا تھا۔ آپؐ نے اپنی اراضی کا بیشتر ہی مسلمانوں کی خیر و فلاح کے لیے وقف کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی معاش زندگی مومنین کے لیے بہترین اسوہ ہے۔ مومنین اس دنیا کی زندگی میں محنت سے روزی حاصل کریں۔ روزی حاصل کرنے کے جو بھی حلال ذرائع میسر ہوں، ان میں لگ

جائیں۔اپنے ماتحت بیوی، بچے اور دیگر افراد کے لیے معقول انتظام کرنے کے ہر ممکن سعی کریں۔اپنی دولت کا کچھ حصہ فقراء ومساکین پر ضرور خرچ کرے کیونکہ کمزوروں کی دادرسی، محتاجوں کی مدد اور ضرورت مندوں کی کفالت نبوی تعلیمات کا لازمی حصہ ہیں۔

مراجع ومصادر

۱۔ ڈاکٹر حمید اللہ، خطبات بہاولپور، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، 1997ء، ص:363

۲۔ ناشر: کتب خانہ سیرت، کراچی لاہور، سن طباعت:2015ء

۳۔ پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی، معاش نبوی، کتب خانہ سیرت، کراچی لاہور، 2015ء، ص:51

۴۔ ایضاً، ص:59

۵۔ ناشر: ثناءاللہ ڈائریکٹر دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، سن طباعت:1999ء

۶۔ سید فضل الرحمٰن، معیشت نبویؐ، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، 2013

۷۔ سید فضل الرحمٰن، معیشت نبویؐ، ص:60۔61

۸۔ http://www.drsamman.com/

۹۔ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب توریث دور مکۃ، وبیعھا وشرائھا، حدیث:1588

۱۰۔ صحیح بخاری، کتاب ال إجارۃ، باب رعی الغنم علی قراریط، حدیث:2262

۱۱۔ صدیقی، یٰسین مظہر، معاش نبوی ﷺ، کتب خانہ سیرت، کراچی۔لاہور، 2015ء، ص:42۔43

۱۲۔ أبوالفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، دار إحیاء التراث العربی، 1988ء، ج2، ص:359

۱۳۔ صحیح البخاری، باب بدء الوحی، کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ عن عائشہ، حدیث:3

۱۴۔ ابن قیمؒ، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، دار عالم الفوائد، ۲۱۰۸ء، ج1، ص123۔126

۱۵۔ ایضاً ج1، ص129۔132

۱۶۔ علی بن عبد اللہ بن أحمد الحسنی الشافعی، نور الدین أبو الحسن السمھودی، وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفی، دار الکتب العلمیۃ–بیروت، 1419، ج:3، ص:150

۱۷۔ السمھودی، وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفی، ج:1، ص:206 ۱۸۔زاد المعاد: ج۱، ص۲۳۱

۱۹۔ زرقانی، شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، دار الکتب العلمیۃ، 1996م، ج2، ص176

مولانا سید مناظر احسن گیلانی کے بعض افکار کا مطالعہ

(تدوین قرآن کے خصوصی حوالے سے)

ڈاکٹر محمد اسامہ
(گیسٹ فیکلٹی، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ الہامی کتابوں میں سے آخری کتاب ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے۔ اسے اللہ رب العالمین نے لوحِ محفوظ سے دنیاوی آسمان پر ایک ہی شب یعنی شبِ قدر میں نازل کیا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اسی کے حکم سے وحی کے ذریعے تئیس ((23 سال کی طویل مدت میں کائنات کے آخری رسول یعنی نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اسے نازل کیا۔

قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ رب العزت نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے اس لیے اس نے شروع سے ہی اس پر خصوصی توجہ دی ہے۔ چناں چہ جہاں ایک طرف قرآن کریم کے نزول کے ساتھ ساتھ حفاظِ قرآن کی ایک بڑی تعداد تیار ہوتی رہی وہیں دوسری طرف اسے تحریری شکل میں لانے کا بھی اہتمام کیا جاتا رہا تھا، یہاں تک کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اس وقت مکمل قرآن کریم نہ صرف تحریری شکل میں موجود تھا بلکہ وہ صحابہ کرام کے سینوں میں محفوظ بھی تھا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کریم کو 'بین الدفتین' جمع کرایا اور حضرت عثمانؓ کے دور مبارک میں 'قرأتِ قریش' پر امت مسلمہ کا اتفاق ہوا کیوں کہ قرآن قبیلہ قریش کی زبان میں ہی نازل ہوا تھا۔

ہر دور میں علمائے کرام نے قرآن کریم کی اہمیت وافادیت کو سمجھتے ہوئے اس کی تاریخ اور جمع وتدوین وغیرہ پر کتابیں تصنیف کی ہیں، ان میں سے ایک نام مولانا سید مناظر احسن گیلانی ((1892-1956 کا بھی ہے جنہوں نے اس موضوع پر نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ نیز علامہ موصوف نے نہ صرف اپنے ارشادات و بیانات سے بلکہ تصانیف سے بھی دین اسلام کی خدمت کی

ہے۔زیر نظر مقالے میں جمع تدوین قرآن کے حوالے سے ان کے بعض افکار ونظریات کا جائزہ لیا جائے گا،لیکن اس سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بہ حیثیت مجموعی مولانا گیلانی کی قرآنی خدمات کا مختصر تعارف پیش کر دیا جائے۔

قرآنی خدمات

مولانا سید مناظر احسن گیلانی کو قرآنیات سے خصوصی شغف رہا،اس لیے انہوں نے اس حوالے سے نہ صرف درس وتدریس کی خدمات انجام دیں بلکہ اسے موضوعِ قلم بھی بنایا اور قرآنیات کے مختلف گوشوں :تفسیر،مسائل،تعلیمات اور اس کی تاریخ وغیرہ پر فکر انگیز مقالات تحریر کیے۔اس کی ایک وجہ یہ بھی رہی کہ انہوں نے برصغیر کے ماہر قرآنیات مولانا حمید الدین فراہیؒ سے استفادہ کیا تھا۔وہ اپنی کتاب میں ایک جگہ اپنے استاذ علامہ فراہی کی خدمات کے اعتراف میں رقم طراز ہیں:

''......ولی اللہی تجدید کے بعد ہندوستان نے اپنی سأت ثانیہ میں جو کام اس سلسلہ میں انجام دیا ہے،میرا اشارہ حضرت الاستاذ مولانا حمید الدین فراہیؒ کی تفسیر ''نظام القرآن'' کی طرف ہے،جس میں علاوہ دوسری خوبیوں کے(یعنی قرآن اور بائبل کے تعلقات اور ادبی مباحث)کے سوا سب سے بڑی اور مشترک خصوصیت مولانا کی اس تفسیر کے تمام حصوں میں یہی ہے کہ انہوں نے آیات قرآنی میں ربط پیدا کرنے کی ایسی عدیم النظیر کوشش فرمائی ہے کہ بسا اوقات صرف آیات کے یہی روابط اس کی دلیل بن جاتے ہیں کہ یہ کتاب خدا کے سوا اور کسی کی طرف نہیں ہوسکتی۔''1؎

مولانا گیلانی خود بھی حیدرآباد میں اپنی قیام گاہ کے قریبی مسجدوں میں درس قرآن دیا کرتے تھے۔مولانا عبدالباری ندوی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''مختلف قیام گاہوں کے قریبی مساجد میں درس قرآن کا جو سلسلہ وقتاً فوقتاً چلتا رہتا اس سے مستفید ہونے والے تو قریباً سارے کے سارے نئے تعلیم یافتہ ہی ہوتے،اور ان کے مجمع میں مولانا کی طبیعت وزبان خوب کھلتی۔''2؎

مولانا سید مناظر احسن گیلانی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن فہمی کا خصوصی ملکہ عطا کیا تھا۔اس سلسلے میں ان کا طریقہ یہ رہا کہ وہ قرآن کو تفسیروں کے بجائے حیات زندگی کے واقعات اور مشاہدات سے

سمجھنے کی کوشش کرتے تھے نیز غور وفکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی منشاء تک پہنچنا چاہتے تھے اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف قرآن کریم پر مستشرقین اور بسا اوقات اپنوں کی جانب سے ہونے والے اعتراضات کو مدلل جواب دیا ہے۔ اس کی گواہی مولانا گیلانی کے ان مقالات سے بھی ملتی ہے جو انہوں نے پروفیسر اجمل خان (ذاتی سکریٹری، مولانا ابوالکلام آزادؒ) کے افکار ونظریات پر نقد کرتے ہوئے قلم بند کیے ہیں۔3

مولانا موصوف کے قرآنیات کے موضوع پر مختلف مقالات ہیں جن میں سے بعض شائع ہو چکے ہیں اور بعض ابھی مسودے کی شکل میں ہیں، ان میں ''تذکیر بسورۃ الکہف''، ''ادب قرآنی''، ''قرآن کے صائبین کیا بدھ مذہب کے ماننے والے تھے؟''، ''اسلام اور ہندو مذہب کی بعض مشترک تعلیمات''، ''تورات کے دس احکام اور قرآن کے دس احکام'' اور ''روزہ اور قرآن'' وغیرہ قابل ذکر ہیں، البتہ یہ عجیب بات ہے کہ انہوں نے اپنے زیادہ تر مخصوص قرآنی افکار ونظریات کو عام نہیں ہونے دیا اور نہ ہی اس کی جمع وتدوین کی۔ اس کی تائید مولانا عبدالباری ندوی کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے:

> ''......مولانا کے فکری اور علمی کمالات کا وقت کے لیے سب سے کارآمد یادگار کارنامہ خصوصاً جدید ذہنوں یا نئی تعلیم والوں کے حق میں ان کی ''قرآنی یافتوں'' کا ذخیرہ ہوتا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ سورہ کہف کے سوا قصداً انہوں نے اہتمام فرمایا کہ اس سلسلے کی کوئی اور مستقل چیز منظر عام پر نہ آنے پائے۔''4

مولانا گیلانی کی جانب سے اس قدر احتیاط کی کیا وجہ تھی؟ اس حوالے سے راقم کو باجود تلاش وبسیار کے کچھ خاص نہ مل سکا، البتہ راقم کا ذاتی خیال ہے کہ ممکن ہے وہ افکار ونظریات جمہور علماء سے مطابقت نہ رکھتے ہوں اور ان کو اندیشہ ہو کہ اس سے امت میں اختلاف پیدا ہوسکتا ہے۔ بہر حال مولانا گیلانی کی قرآنی خدمات کا اعتراف ان کے ہم عصر جید علمائے کرام نے کیا ہے، اس سلسلے میں مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے نام قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا نکتہ رس اور نکتہ آفریں ذہن عطا فرمایا تھا، قرآن مجید کی وہی آیات

اور صحاح کی وہی احادیث اور تاریخ کے وہی بیانات جو ہم آپ بیسیوں بار پڑھ چکے ہیں، مولانا ان سے ایسے حقائق ثابت کر دیتے، اور ان سے ایسے عجیب لیکن صحیح نتائج نکالتے کہ حیرت ہوتی۔''5۔

بعض افکار کا تجزیاتی مطالعہ

مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی قرآن کریم کے موضوع پر ایک کتاب 'تدوین قرآن' کے نام سے ہے جس میں انہوں نے قرآن کریم کی تاریخ، اس کی کتابت، طریقۂ کار، جمع وتدوین، عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں قرآنی خدمت کی صحیح نوعیت، لب و لہجہ کا اختلاف، جامع القرآن کون؟ اور نزولی ترتیب وغیرہ جیسے اہم موضوعات پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اس تعلق سے بشمول مستشرقین غیروں کے شبہات اور اعتراضات کو دور کرنے کی کام یاب کوشش کی ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا گیلانی نے اس کتاب میں حواشی کا کثرت سے استعمال کیا ہے اور ان کے ذریعہ انہوں نے متعلقہ بحثوں کی بھرپور وضاحت کی ہے اور اس سلسلے میں بعض دیگر مفکرین اور علمائے کرام کی آراء کو بھی پیش کیا ہے۔ یہ ان کی تحریروں کی ایک بڑی خصوصیت ہے۔ ان کی یہ کتاب میرے علم کے مطابق اب تک غیر مطبوعہ ہے، البتہ اس کا خلاصہ مولانا گیلانی ایک لائق وفائق شاگرد مولانا غلام محمد ربانی نے پہلی بار ندوۃ المصنفین، دہلی سے شائع کیا، البتہ سن اشاعت باوجود کوشش کے نہیں مل سکا۔ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری کے مطابق: ''پروفیسر محمد اجمل خاں کے بعض خیالات کے رد میں پہلی بار یہ کتاب 1976 میں کراچی سے شائع ہوئی۔''6 لیکن اس کی تصدیق نہیں ہوسکی۔ دوسری بار مکتبہ اسحاقیہ جونا مارکیٹ، کراچی سے 1986 میں شائع ہوئی اور راقم کے پیش نظر یہی ایڈیشن ہے۔ ذیل میں طوالت کے پیش نظر صرف قرآن کی جمع وتدوین کے حوالے سے ان کے بعض افکار کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

(الف) عہد نبوی میں قرآن

مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس میں بنیادی طور پر بعض اہم سوالوں۔ عہد نبوی میں قرآن کریم لکھی ہوئی شکل میں موجود تھا؟ اگر ہاں تو اسے کس طرح سے لکھا گیا؟ کن چیزوں پر لکھا

گیا؟ کاتبین وحی کون اور کتنے تھے؟ اور یہ کام اجتماعی طور پر کیا گیا یا انفرادی طور پر؟ جیسے اہم سوالوں کے جوابات دینے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے خود قرآن کریم کی ان آیات کریمہ (البقرۃ:02، الفرقان:05) سے استدلال کیا ہے جو اس کے کتابی صورت میں ہونے پر دلالت کرتی ہیں:

ذٰلِکَ الْکِتَابُ لاَ رَیْبَ فِیْہِ۔7۔

''یہ ایک نوشتہ ہے جس میں شک نہیں ہے۔''

مولانا گیلانی اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اسی فقرہ میں اس سوال کا جواب آپ کو مل جائے گا یعنی خود کتاب کا لفظ جس کے معنی نوشتہ اور لکھی ہوئی چیز کے ہیں۔8۔

مولانا گیلانی نے قرآن کریم کی کتابی شکل میں ہونے کی ایک اور دلیل قرآن کریم سے ہی پیش کی ہے:

لَّا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ۔9۔

''نہیں چھوئیں اس کو (یعنی قرآن کو) مگر وہی لوگ جو پاک ہوں۔''

مولانا موصوف نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھا کہ زبانی یادداشت کی شکل میں جو چیز ہوگی کسی حیثیت سے بھی یہ حکم یعنی مس اور چھونے کی ممانعت کا تصور اس کے لیے نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس کا مطلب صاف ہے کہ قرآن لکھا ہوا اور نوشتہ کی شکل میں موجود تھا۔10۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو قرآن کریم دشمن کے علاقوں میں لے جانے سے منع کیا تھا، اگر لکھا ہوا نہیں ہوتا تو پھر اس حکم کا کیا مطلب ہوا؟ اسی طرح آپؐ نے قرآن دیکھ کر پڑھنے پر زیادہ ثواب بتایا ہے تو اگر قرآن لکھی ہوئی شکل میں نہیں تھا تو وہ یہ آپؐ کیوں کہتے؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں قرآن کریم لکھی ہوئی شکل میں موجود تھا، البتہ وہ ایک جگہ اور ایک سائز میں نہیں تھا، اگرچہ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ بعض صحابہ کرام کے پاس پورا قرآن ایک جگہ موجود تھا۔ راقم کی نظر میں اس کی تطبیق اس طرح سے کی جا سکتی ہے کہ عہد نبوی میں حکومتی سطح پر یہ کام نہیں انجام دیا گیا تھا اور پھر عہد صدیقی میں حضرت عمرؓ کے کہنے پر حضرت ابوبکرؓ نے اس اہم کام کو انجام دیا۔

کاتبین وحی کون اور کتنے تھے؟ مولانا گیلانی نے کل تعداد چالیس ((40 بتائی ہے، البتہ انہوں نے 'العراقی' کی رائے کو بھی درج کیا ہے جنہوں نے بیالیس ((42 کاتبین وحی کا ذکر کیا

ہے۔ نیز کاتبین وحی کے سربراہ کے طور پر حضرت حنظلہ بن ربیعؓ کو تسلیم کیا ہے اور دلیل میں ابن عبدربہ کی کتاب 'عقدالفرید' کا حوالہ دیا ہے۔11؎

رہا سوال اس کا کہ عہد نبوی میں قرآن کریم کن چیزوں پر لکھا جاتا رہا؟ برصغیر میں بالعموم یہ غلط فہمی رائج ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کی چھال، کھجور کے پتوں، شاخوں، پتھروں اور ہڈیوں وغیرہ پر آیتیں لکھوائیں تھیں، نیز بعض کتابوں میں بھی اس طرح کی باتیں لکھی ہوئی مل جائیں گی۔ علامہ گیلانی نے ان تمام خیالات کو رد کیا ہے اور احادیث کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ ادیم12؎، لخاف13؎، کتف14؎، عسیب15؎، اقتاب16؎، رقاع / رق17؎ وغیرہ پر ہی قرآنی آیات لکھی گئیں اور ان میں بھی آپؐ نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ یہ اشیاء ایسی ہوں جو زمانے کے حوادث اور آفات کا مقابلہ کر سکیں۔ چناں چہ عہد صدیقی میں جب قرآن کو ایک جگہ جمع کرنے کے لیے انہیں نکالا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھائی ہوئی آیات کریمہ اپنی اصل حالت میں ملیں۔18؎ رقاع کے حوالے سے انہوں نے مستدرک حاکم کی ایک حدیث بھی دلیل میں پیش کی ہے:

> کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نؤلف القرآن من الرقاع۔19؎
>
> ''ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر رقاع (چرمی قطعات) میں قرآن کی تالیف کرتے تھے۔''

(ب) عہد صدیقی میں قرآن

مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے اس کے تحت عوام میں رائج ایک بڑی غلط فہمی قرآن کریم کو عہد صدیقی میں کتابی شکل دی گئی اور اس سے پہلے تک وہ صرف لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھا۔ کو دور کرنے کی کوشش ہے اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم عہد نبوی میں ہی لکھا جا چکا تھا نیز حضرت عمرؓ کا حفاظ کرام کی جنگ یمامہ میں شہادت کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ سے قرآن کریم لکھنے پر اصرار کرنا اور ان کا شروع میں اجتناب کرنا دراصل لکھے ہوئے قرآن کو ایک جلد میں کرنا تھا جو اس سے پہلے سرکاری سطح پر نہیں ہوسکا تھا، ورنہ حضرت عمرؓ تو خود لکھنا جانتے تھے اور حضرت ابوبکرؓ کا ان سے یہ فرمانا:

کیف تفعل شیئا لم یفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔20؎

''آپ اس کام کو کیسے کر رہے ہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔''

جب کہ تاریخ گواہ ہے کہ آپؐ وحی کے نزول کے فوراً بعد قرآنی آیات کو کاتبین وحی کے ذریعے قلم بند کرا دیا کرتے تھے، پھر حضرت ابوبکرؓ کے درج بالا فرمان کا کیا مطلب ہوسکتا ہے اگر اس قصہ کا تعلق قرآن اور قرآنی سورتوں کے صرف لکھوانے سے ہوتا جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے۔21؎

مولانا گیلانی نے اخیر میں بخاری ((2/745 کی مشہور روایت کو نقل کیا ہے کہ کس طرح سے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو اس عظیم کام کے لیے آمادہ کیا اور انہوں نے بڑی محنت اور جاں فشانی سے پورے قرآن کو ایک جگہ جمع کر دیا نیز انہوں نے ان کے طریقہ کار پر بھی گفتگو کی ہے کہ کیسے حضرت زیدؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے لکھوائی ہوئی یادداشتوں سے مدد لی اور دو حافظوں سے ہر آیت پر گواہی لی، البتہ سورۃ برأت کے آخری حصے پر صرف ایک صحابی حضرت خزیمہ بن ثابتؓ 22؎ نے گواہی دی لیکن ان کی گواہی ایک موقع 23؎ پر آپؐ نے دو لوگوں کے برابر قرار دی تھی۔ اس طرح سے عہد صدیقی میں پورا قرآن ایک جگہ، ایک جلد میں، ایک ہی تقطیع اور سائز پر لکھا گیا۔ انہوں نے بطور دلیل حارث محاسبی کی ایک تحریر نقل کی ہے:

وکان القرآن بمنزلۃ أوراق وجدت فی بیت رسول اللہ ﷺ وسلم فیھا منتشراً فجمعھا جامع وربطھا بخیط۔24؎

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں قرآن کی یادداشتوں کا جو مجموعہ تھا اسی میں قرآنی سورتیں الگ الگ لکھی ہوئی تھیں (ابوبکرؓ کے حکم سے) جامع (زید بن ثابتؓ) نے ایک جگہ سب سورتوں کو جمع کیا اور ایک دھاگہ سے سب کی شیرازہ بندی کی۔''

(ج) عہد عثمانی میں قرآن

مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے اس کے تحت عہد عثمانی میں قرآنی خدمت کا جائزہ لیا ہے، نیز عوام الناس میں رائج ایک عام غلط فہمی۔ حضرت عثمانؓ 'جامع القرآن' ہیں، کا ازالہ کرنے کی کوشش کی ہے اور انہوں نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ حضرت ذوالنورینؓ سے قبل قرآن کریم بین الدفتین موجود تھا، البتہ جب اسلامی مملکت وسیع ہوئی اور عرب عجم میں اختلاط ہوا تو قبیلوں کے لب ولہجہ

میں اختلاف کی وجہ سے قرآن کریم کے الفاظ میں بھی اختلاف ہوا مثلاً قرآن کریم کی آیت ''قد جعل ربک تحتک سریا''25۔ کو قبیلہ قیس والے جو 'ک' کو تانیث کا تلفظ 'ش' سے کرتے تھے، تو ان کے یہاں یہی آیت اس طرح ملتی: ''**قد جعل ربش تحتش سریا**''۔ اسی طرح تمیم والے 'أن' کے لفظ کو 'عن' کی شکل میں ادا کرتے تھے جیسے ''**فعسیٰ اللہ أن یاتی بالفتح**'' کو وہ ''**عسیٰ اللہ عن یاتی بالفتح**'' لکھتے۔ مسلمانوں میں یہ اختلاف اس قدر ہوا کہ ایک دوسرے کو کافر کہا جانے لگا۔ ایسی صورت حال میں حضرت عثمانؓ نے حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور دیگر صحابہ کرام کے مشورے سے عہد صدیقی میں تیار کیے گئے نسخے کو منگا کر حضرت زید بن ثابتؓ کی سربراہی میں اس کی مزید چند نقلیں تیار کرائیں اور مختلف صوبوں میں اس فرمان کے ساتھ بھیج دیا کہ اب اسی (یعنی قریش کی زبان) کے مطابق تلاوت کی جائے گی اور دیگر قبائل کی زبانوں اور لہجوں کے قرآن کو ضائع کرا دیا۔ اسی وجہ سے انہیں 'جامع القرآن' کہا جاتا ہے کیوں کہ انہوں نے ایک مصحف پر سب کو جمع کر دیا۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ صرف کتابت کی حد تک قریش کے لب ولہجہ کی پابندی کی گئی تھی، ورنہ سب کو دوسرے لب ولہجہ اور تلفظ کے ساتھ پڑھنے کی آزادی تھی۔26۔

(د) سورتوں اور آیتوں کی ترتیب

سید مناظر احسن گیلانی نے عہد صدیقی میں تدوین قرآن کے حوالے سے اپنی ایک رائے پیش کی ہے کہ حکومت کی جانب سے عوام الناس کو اس بات پر مجبور نہیں کیا گیا کہ وہ بھی قرآن کو ایک جلد میں مجلد کرائیں اور سورتوں کی ترتیب میں اسی ترتیب کا خیال رکھیں جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ کے تیار کردہ قرآن میں تھی، اس کا نتیجہ یہ رہا کہ سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے بعض صحابیوں کے قرآن کی ترتیب دوسرے صحابی کے نسخے سے کچھ مختلف ہوتی تھی۔27۔ وہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''...... بلکہ ایک ہی مصنف کی چند کتابوں کو مختلف سائز کے اوراق پر جیسے لوگ چھاپتے ہیں اور کسی خاص ترتیب کی پابندی کے بغیر جس کے جی میں جس طرح آتا ہے ان کی جلد بندھواتا ہے۔ انفرادی آزادیوں کی کچھ یہی صورت حال حضرت عثمانؓ کی خلافت تک قرآنی سورتوں کے متعلق رہی۔ اس انفرادی آزادی میں حکومت نے دخل دینا مناسب خیال نہ کیا۔''28۔

البتہ مولانا موصوف کے مطابق دورِ صدیقی میں جس ترتیب سے سورتوں کی جلد بندی کرائی گئی تھی وہ صحابہ کرام کی اپنی رائے کے نتیجے میں تھی یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے مطابق تھی؟ اس کی کوئی واضح روایت نہیں ملتی۔ انہوں نے امام مالک کا ایک قول نقل کیا ہے کہ قرآنی سورتوں کی ترتیب اسی طرح سے دی گئی جس طرح سے انہوں نے آپؐ سے سنا تھا۔29؎ مولانا گیلانی آخر میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں سورتوں کی ترتیب بھی مصحف صدیقی کے مطابق کر دی تھی اور دوسروں کو بھی اسی کے مطابق کرنے کا فرمان جاری کیا تھا۔ اس طرح سے ان کی بدولت یہ اختلاف بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔30؎

مولانا صدرالدین اصلاحی نے سورتوں اور آیتوں کی ترتیب کے متعلق مولانا گیلانی سے جداگانہ رائے اختیار کی ہے اور لکھا ہے کہ قرآن کی جمع و ترتیب مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور یہ خالص توفیقی ہے، اس سلسلہ میں جو کچھ ہوا وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوا، حتیٰ کہ نبیؐ کا بھی اس میں مطلق دخل نہیں۔ دلیل میں وہ قرآن کریم کی آیت کریمہ پیش کرتے ہیں:

إِنَّ عَلَیْ ☐ نَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ۔ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ۔31؎

''اے محمد! یقین رکھو، یہ بات ہمارے ذمہ ہے کہ اس قرآن کو جمع کریں اور اسے پڑھ کر سنا دیں تو اسی کے مطابق تم بھی پڑھو۔''

اس آیت کی تشریح میں مولانا اصلاحی رقم طراز ہیں:

''قرآن کے 'جمع' کر دینے میں خود نبیؐ کے اپنے ارادے، فعل، اختیار اور اجتہادِ رائے کا کوئی دخل نہیں، بلکہ یہ کام بالکلیہ اللہ تعالیٰ کا انجام دیا ہوا ہے۔ اس 'جمع' قرآن کے مفہوم میں ترتیب و تدوین کی بات بھی لازماً شامل ہے۔32؎

اس آیت سے صرف یہی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ پورا قرآن اللہ کا جمع کردہ ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس کی تدوین بھی آسمانی ہے کیوں کہ ظاہر ہے جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی آیتوں اور سورتوں کو کسی نہ کسی ترتیب ہی سے سنایا تھا۔''33؎

خلاصہ کلام یہ کہ مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے یقیناً اس کتاب کے ذریعہ قرآن کریم کی جمع و تدوین پر کیے جانے والے اعتراضات کا مدلل جواب دیا ہے اور یہ ان کی عالم اسلام کے لیے ایسی

عظیم خدمت ہے جس سے اہلِ علم انکار نہیں کر سکتے۔

حواشی وحوالہ جات

(1) گیلانی، سید مناظر احسن، پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، مکتبہ رحمانیہ، اقرأ سنٹر، اردو بازار، لاہور، سن اشاعت غیر مطبوعہ، جلد دوم، ص280

(2) مکاتیب گیلانی

(3) ملاحظہ ہو: مفتاحی، محمد ظفیر الدین، حیات مولانا گیلانی، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی، 1994، صفحات 228-227

(4) مقدمہ مکاتیب گیلانی، ص37

(5) ندوی، ابوالحسن علی، پرانے چراغ، مکتبہ فردوس، لکھنؤ، بار دوم، 1980، ص66

(6) شاہ جہاں پوری، ابوسلمان، مولانا سید مناظر احسن گیلانی (شخصیت اور سوانح)، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، 2002، ص49

(7) البقرة:02

(8) گیلانی، مناظر احسن، تدوین قرآن، مکتبہ البخاری، کراچی، 2005، ص44

(9) الواقعة:79 (10) تدوین قرآن، ص46

(11) ایضاً، ص61

(12) ایک طرح کا چمڑا جسے باریک کھال کو دباغت دے کر تیار کیا جاتا تھا۔

(13) سفید پتلی چوڑی تختیاں جو پتھر سے بنائی جاتی تھیں۔

(14) اونٹ کے مونڈھے کے پاس کی گول ہڈی۔

(15) پام کی طرح کے درختوں کی شاخوں کا وہ حصہ جو تنے سے ملا ہوا ہوتا ہے اور چوڑا ہوتا ہے۔

(16) اونٹ کے کجاوہ میں مستعمل ہونے والی چھوٹی پھٹیاں۔

(17) چمڑے کے بنے خاص قسم کے ٹکڑے جو لکھنے کے لیے ہی بنائے جاتے تھے۔

(18) ملاحظہ ہو: تدوین قرآن، صفحات 69-63

(19) مستدرک حاکم:2/603 (20) بخاریہ:2/745

(21) تدوین قرآن، ص78

(22) ان کا پورا نام خزیمه بن ثابت بن فاكه بن ثعلبة تھا، البتہ بعض نے خزیمه اور کچھ نے أبو خزیمه لکھا

ہے،لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ خزیمہ زیادہ صحیح ہے۔یہی اسد الغابة میں بھی درج ہے۔الجرزی،عزالدین ابن الاثیر ابی الحسن علی بن محمد، اسد الغابہ فی معرفة الصحابہ،دار الکتب العلمیة،بیروت لبنان،بدون سنة،2/170

(23) أن النبی اشتری فرساً من سواء بن قیس المحاربی فجحده سواء،فشهد خزیمه بن ثابت للنبیؐ،فقال له رسول اللهﷺ:ما حملک علی الشهادةولم تکن معنا حاضراً؟قال:صدقتک بما جئت به، وعلمت أنک لاتقول الا حقاً،فقال رسول اللهﷺ:من شهد له خزیمة أو علیه فحسبه۔الجرزی،عزالدین ابن الاثیر ابی الحسن علی بن محمد،اسد الغابه فی معرفة الصحابه،دار الکتب العلمیة،بیروت لبنان،بدون سنة،2/171(واقعہ یہ تھا کہ ایک بار) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گھوڑا سواء بن قیس محاربی سے خریدا تھا،سواء انکار کر گیا تو خزیمہ بن ثابتؓ نے نبیؐ کی طرف سے گواہی دی،آپؐ نے ان سے پوچھا کہ تم نے کیسے گواہی دی؟ حالاں کہ(جب ہم نے گھوڑا خریدا اس وقت)تم ہمارے ہم راہ نہ تھے،خزیمہ نے کہا کہ جو کچھ آپ خدا کے یہاں لائے ہیں اس کی میں نے تصدیق کر لی ہے اور میں معلوم کر چکا ہوں کہ آپ سچ کے سوا کچھ نہیں کہتے (پس میں نے آپؐ کی اس بات کو بھی سچ سمجھا) رسول اللہؐ نے فرمایا کہ خزیمہ جس کے موافق یا مخالف گواہی دیں تو صرف انہیں کی گواہی کافی ہے۔

(24) الاتقان:1/58

(25)مریم:24

(26) تدوین قرآن،ص89

(27) ملاحظہ ہو: تدوین قرآن،،ص129

(28) ایضاً،ص82

(29)ایضاً،ص130

(30) ایضاً،ص129

(31)القیامة:18-17

(32) مختلف مفسرین نے بھی اپنی تفسیروں میں اسی رائے کو تسلیم کیا ہے۔ملاحظہ ہو:★طبری،ابن جریر،"تفسیر طبری"،مصر:(المطبعة المیمنیة،بدون سنة)،جلد29، صفحه102 ★آلوسی،"تفسیر روح المعانی"،مصر:(اداره الطبعة المنیریة،بدون سنة)، جلد29، صفحه142 ★رازی،"التفسیر الکبیر"،مصر:(المطبعة الکبریٰ،بدون سنة)،جلد30،صفحه240

(33) اصلاحی،صدرالدین،قرآن مجید کا تعارف،مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز،دہلی 2013،صفحہ 64

پڑوسیوں کے حقوق قرآن وحدیث کی روشنی میں

ڈاکٹر ابوعبداللہ فلاحی
(استاذ جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ)

انسان کی طبیعت میں اجتماعیت پسندی ہے، وہ اکیلے اور سماج سے دور نہیں رہ سکتا ہے، اسی طبیعت کی بنا پر سماج، گاؤں اور شہر وجود میں آتے ہیں جہاں مختلف طبیعت کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اسلامی سماج کے افراد کا باہمی تعلق کیسا ہو، کن بنیادوں پر ہو، قرآن مجید اور حدیث نبوی میں اس سلسلے میں وضاحت موجود ہے۔

سورۃ الحجرات [۱۰] میں کہا گیا ہے کہ مومن بھائی بھائی ہیں، سورۃ الفتح [۲۹] میں محمدؐ اور مومنوں کے آپسی تعلق کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: کہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے پر بہت مہربانی کرنے والے ہیں، ہجرت مدینہ کے موقع پر اس تعلق کا بھرپور منظر دیکھا گیا۔

بخاری ومسلم میں حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: **ترى المؤمنين في تراحمهم وتوادّهم وتعاطفهم كمثل الجسد، إذا اشتكى عضو تداعى له سائر جسده بالسهر والحمى** ''تم مومنوں کو آپس میں مہربانی، محبت اور نرم خوئی میں جسم کے مانند پاؤ گے جب جسم کے کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم اس کی وجہ سے بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: **الراحمون يرحمهم الرحمن، ارحموا من في الأرض يرحمكم من في السماء.** '' جو لوگ دوسروں پر مہربانی کرنے والے ہیں رحمن ان پر مہربانی فرماتا ہے، زمین والوں پر مہربانی کرو آسمان والا تم پر مہربانی فرمائے گا۔''
اس حدیث کی روایت ابوداود، ترمذی، احمد، حاکم اور ابن ابی شیبہ نے کی ہے، ترمذی کہا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے، حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح بتایا ہے۔

بخاری اور مسلم نے حضرت ابوموسی اشعریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے مومنوں کے آپسی رشتے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: **إن المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضه بعضا, و شبک أصابعه** ''مومن دوسرے مومن کے لئے اس عمارت کے مانند ہے جس کے بعض حصے بعض کو تقویت پہنچاتے ہیں، یہ کہتے ہوئے آپؐ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کیا۔

عمارت کی ایک ایک اینٹ جب ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہوتی ہیں اور تقویت پہنچاتی ہیں تو مضبوط اور خوبصورت عمارت وجود میں ہے ایسے ہی جب اسلامی سماج کے افراد ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں تو اچھا اور مضبوط سماج وجود میں آتا ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت تمیم داریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: **الدین النصیحة قلنا: لمن؟ قال: "لله و لکتابه و لرسوله و لأئمة المسلمین و عامتهم** ''دین خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے کہا: کس کے لئے خیر خواہی ہے، آپؐ نے فرمایا: اللہ، اس کی کتاب اور اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے حکمرانوں اور عام مسلمانوں کے لیے ہے۔

ان تمام وضاحتوں سے یہ بات بہت کھل کر سامنے آتی ہے کہ اسلامی سماج کے سارے افراد آپس میں بھائی بھائی ہیں، ایک دوسرے کے لیے رحم دلی، لطف و نرم خوئی، محبت و شفقت، ایک دوسرے کو تقویت پہنچانا اور خیر خواہی کرنا ان کی پہچان ہے۔

اس پہچان کو باقی رکھنے اور جلا بخشنے کے لئے شریعت میں کچھ احکام دیئے گئے ہیں، ان میں سے بعض کا تعلق پڑوسیوں کے حقوق سے ہے۔

ایذا رسانی سے بچیں

پڑوسیوں کا ایک حق یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو ایذا رسانی سے پرہیز کریں، یہ ایمان کا تقاضا ہے، پڑوسی کو تکلیف پہنچانا گناہ کبیرہ ہے اور اس پر مختلف وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **من کان یؤمن باللہ و الیوم الآخر فلا یؤذی جارہ** ''کہ جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔''

یہ حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ پڑوسی کو ایذا رسانی سے پرہیز کرنا ایمان کا تقاضا ہے اور ایذا رسانی ایمان کے منافی ہے بلکہ ایک دوسری حدیث میں صراحتًا آیا کہ تکلیف پہنچانے والا مومن نہیں ہوسکتا ہے۔

بخاری ومسلم میں حضرت ابو شریح الخزاعی العدوی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا: واللہ لا یؤمن، واللهِ لا یؤمن، واللهِ لا یؤمن قیل: ومَن یا رسول الله؟ قال: الذی لا یأمنُ جارُہ بوائقَه ''کہ خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہوسکتا، خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہوسکتا، خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہوسکتا، کہا گیا: اے اللہ کے رسول! وہ کون ہے؟ تو آپ ؐ نے جواب دیا: وہ شخص ہے جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔''

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ اپنے ایمان میں کتنے سچے اور کامل ہیں اس کا اندازہ لوگوں کو بطور خاص پڑوسیوں کے ساتھ معاملات سے ہوتا ہے۔(۱)

صحیح مسلم کی ایک روایت یہاں تک بتاتی ہے کہ وہ شخص جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوسکتا ہے، حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا: لا یدخل الجنةَ مَن لا یأمنُ جارُہ بوائقَه

حضرت انس بن مالک ؓ کی روایت میں رسول اللہ ؐ اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہ جنت میں داخل نہیں ہوسکتا ہے، والذی نفسی بیدہ لا یدخل الجنة عبدٌ لا یأمنُ جارہ بوائقه(۲) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ بندہ جنت میں داخل نہیں ہوسکتا ہے جس کے شر سے اس کا پڑوسی مامون نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ؐ سے بوائق کے بارے میں استفسار کیا تو آپ ؐ نے فرمایا: غَشْمُه وظُلمُه [مسند امام احمد، المعجم الکبیر للطبرانی، مسند البزار] [غشم] کے معنی جیسا کہ تاج العروس (33 / 173) میں ہے: رات میں ایندھن چننا اور بلا سوچے سمجھے جن پیڑ پودوں کو کاٹنے پر قدرت ہو ان کو کاٹ دینا، اور مخصص (3 / 405) میں غاشم کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے: ''ایسا خبیث اور فاجر جو اپنے کیے کی پروا نہیں کرتا۔ گویا کہ [غشم] کے مفہوم میں بلا سوچے سمجھے نقصان پہنچانا، اور بغیر پروا کیے خباثت اور فسق و فجور کرنا سب شامل ہے۔

پڑوسی کو ایذا رسانی کی وجہ سے بڑی بڑی نیکیاں قیامت کے دن اکارت چلی جائیں گی، حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ سے کہا گیا: **إِنَّ فُلَانَةَ تَقُومُ اللَّيلَ وَتَصُومُ النَّهَارَ، وَتَفعَلُ، وَتَصَدَّقُ، وَتُؤْذِی جِیرَانَهَا بِلِسَانِهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ لَا خَیرَ فِیهَا هِیَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ قِیلَ: وَفُلَانَةُ تُصَلِّی الْمَكْتُوبَةَ، وَتَصَدَّقُ بِالْأَثْوَارِ وَلَا تُؤْذِی أَحَدًا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ: هِیَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ** (۳) کہ فلاں خاتون تہجد کا اہتمام کرتی ہے، روزہ رکھتی ہے، صدقہ وخیرات کرتی ہے اور اپنی زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے تو آپؐ نے فرمایا: ''اس کے اندر کوئی خیر نہیں ہے، وہ جہنمی ہے''، ایک دوسری خاتون کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ صرف فرض نمازیں پڑھتی ہے پنیر وغیرہ صدقہ کر دیتی ہے اور وہ کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتی ہے تو آپؐ نے فرمایا: ''وہ جنتی ہے۔'' حدیث صحیح ہے۔

ان احادیث سے ایسا لگتا ہے مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج ہوجاتا ہے اور ہمیشہ کے لئے جہنمی ہوجاتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے دوسری دلیلیں بتاتی ہیں کہ وہ ایمان سے خارج تو نہیں ہوتا ہے البتہ وہ فاسق ہوجاتا ہے، اس کے ایمان میں نقص آجاتا ہے اور وہ قیامت کے دن اللہ کی مشیت پر ہوگا اللہ چاہے گا تو بخش دے گا یا پھر جہنم میں ڈال کر اس کو پاکیزہ اور جنت کے لائق بنائے گا، یہ اہلسنت والجماعہ کا عقیدہ ہے۔(۴)

قیامت کے دن کتنے ہی پڑوسی دوسرے پڑوسی سے [قرض خواہ کی طرح] چمٹے ہوں گے، اور اپنے رب سے شکایت کرتے ہوئے کہیں گے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے: **یا رب هذا أغلق بابه دونی فمنع معروفه** ''اے میرے پروردگار! اس نے مجھ پر اپنا دروازہ بند کر دیا تھا اور مجھے اپنی نوازشوں سے محروم رکھا تھا۔(۵)

چوری اور زنا گناہ کبیرہ ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن اگر یہ پڑوسی کے ساتھ ہو تو اس کی شناعت دس گنا بڑھ جاتی ہے، حضرت مقداد بن اسودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: **لَأَنْ یَزْنِی الرَّجُلُ بِعَشْرِ نِسْوَةٍ أَیْسَرُ عَلَیْهِ مِنْ أَنْ یَزْنِی بِامْرَأَةِ جَارِهِ، وَلَأَنْ یَسْرِقَ مِنْ عَشْرَةِ أَبْیَاتٍ أَیْسَرُ عَلَیْهِ مِنْ أَنْ یَسْرِقَ مِنْ بَیْتِ جَارِهِ** (۶) دس عورتوں کے ساتھ زنا کرنا پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے کے مقابلہ میں ہلکا ہے، اور اسی طرح دس گھروں میں چوری کرنا اپنے پڑوسی کے گھر میں چوری کے مقابلہ میں ہلکا ہے۔(۷)

ان تمام وضاحتوں سے صاف ظاہر ہے کہ پڑوسیوں کو تکلیف پہنچانا گناہ عظیم ہے اور ان کو جن جن چیزوں سے تکلیف پہنچ سکتی ہے ان تمام سے پرہیز کرنا ضروری ہے، تکلیف کس چیز سے پہنچ سکتی ہے اور کس سے نہیں اس کی تفصیلات میں جانا ممکن نہیں ہے البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اصولی بات بتائی ہے اسے ہمیشہ اپنے سامنے رکھا جائے تو امید کی جاتی ہے کہ ہم اس گناہ عظیم سے بچ سکیں گے، آپ ؐ نے فرمایا: **وَأَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِکَ، وَتَکْرَہَ لَھُمْ مَا تَکْرَہُ لِنَفْسِکَ** (۸) ''اورتم دوسروں کے لیے وہ کچھ پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو اور دوسروں کے لیے وہ کچھ ناپسند کرو جو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو۔

کوئی بھی شخص کسی شخص کے ساتھ کوئی بھی سلوک کرنے جارہا ہو تو سب سے پہلے یہ دیکھے کہ اگر وہی سلوک کوئی دوسرا شخص اس کے ساتھ کرے تو اسے کیسا محسوس ہوگا، اگر واقعی وہ سلوک اسے پسند ہے تو ٹھیک ہے اور اگر ناپسند ہے تو اسے چاہیے کہ دوسروں کے ساتھ وہ سلوک کرنے سے پرہیز کرے کیونکہ اسے بھی یہ ناپسند ہوگا۔

پڑوسی کی ایذا رسانی پر یہ ساری وعیدیں ایک طرف ہیں تو دوسری طرف اس کی وجہ سے معصیتوں کے بہت سارے دروازے وا ہو جاتے ہیں، ایک دوسرے کے حقوق کی پامالیاں ہوتی ہیں، آپس میں تنازع ہوتا ہے، بدکلامیاں ہوتی ہیں، قطع تعلق ہوتا ہے، اعراض کی کیفیت ہوتی ہے، مسنون دعوتیں رد کردی جاتی ہیں، جنازے تک میں شرکت کرنا گوارا نہیں ہوتا ہے اور نہ جانے کیا کیا ہوتا ہے، العیاذ باللہ، یہ ساری معصیتیں گناہ کبیرہ ہیں اللہ تعالی ہم تمام ان سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

احسان کا معاملہ کریں

پڑوسیوں کا دوسرا حق یہ ہے کہ پڑوسی ایک دوسرے کے ساتھ احسان کا معاملہ کریں اور یہ بھی ایمان کا تقاضا ہے، اس سلسلے میں قرآن وحدیث میں کافی وضاحتیں موجود ہیں:

سورہ النساء کی آیت [36] میں جہاں اللہ تعالی نے والدین، قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں پر احسان کا معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے وہیں پر قریبی اور دور کے پڑوسیوں کے ساتھ بھی احسان کا معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے، ارشاد ہے: **وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوا بِہٖ شَیْئًا وَبِالْوَالِدَیْنِ**

إِحْسَانًا وَبِذِی الْقُرْبَی وَالْيَتَامَی وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبَی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے اپنی خالص عبادت اور مذکورہ بندوں پر احسان کرنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا: وہ مغرور اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے جو لوگ اس کی عبادت سے روگردانی کرتے ہیں اور ان بندوں کے ساتھ احسان کا معاملہ نہیں کرتے ہیں، ضروری ہے کہ ان کے دلوں میں کبر وغرور اور فخر کا جرثومہ ضرور ہوگا۔(۹)

صحیح مسلم میں ابوشریح الخزاعی کی روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: **من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليحسن إلى جاره** ''کہ جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے۔''

جس طرح پڑوسیوں کو تکلیف پہنچانے سے پرہیز کرنا ایمان کا تقاضا ہے، ٹھیک اسی طرح ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا بھی ایمان کا تقاضا ہے اور اس کے برخلاف رویہ اختیار کرنا ایمان کے منافی ہے۔

رسول اللہؐ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو کچھ باتوں کی نصیحت فرمائی ان میں سے ایک نصیحت پڑوسی کے ساتھ نیک سلوک کرنے سے متعلق ہے اور اسے [سچا] مسلم ہونے کا سبب بتایا ہے، آپؐ نے فرمایا: **یا أباهريرة ...وأحسن جوار من جاورك تكن مسلما** (۱۰) کہ اے ابو ہریرہ اپنے پڑوسی کے جوار کو اچھا بناؤ [صحیح معنوں میں] تم مسلمان بن جاؤ گے۔

آیت کریمہ اور حدیثوں میں مطلق پڑوسی پر احسان کرنے کا ذکر آیا ہے اور کہیں پر بھی مسلم پڑوسی نہیں کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ احسان کا معاملہ کرنے کے لیے محض پڑوسی ہونا کافی ہے چاہے وہ پڑوسی مسلم ہو یا غیر مسلم بشرطیکہ وہ آپ سے برسرِ پیکار نہ ہو۔

سورہ الممتحنہ [8] میں ارشاد ہے: **لَا يَنْهَاكُمُ اللهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ** ''اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنھوں نے دین کے معاملہ میں تم سے نہ جنگ کی ہے اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے، اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

مولانا مودودی علیہ الرحمہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''تمہیں ان لوگوں کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنے کا حق ہے جنھوں نے ایمان لانے کی پاداش میں تم پر ظلم توڑے ہیں، مگر جن لوگوں نے اس ظلم میں کوئی حصہ نہیں لیا، انصاف یہ ہے کہ تم ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور رشتے اور برادری کے لحاظ سے ان کے جو حقوق تم پر عائد ہوتے ہیں انھیں ادا کرنے میں کمی نہ کرو۔'' (۱۱)

صحابہ کرام کے یہاں یہ چیز عملاً موجود تھی، وہ اپنے غیر مسلم پڑوسی کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے یہاں ایک بکری ذبح ہوئی تو اپنے بیٹے سے بار بار کہا: کیا تو نے ہمارے یہودی پڑوسی کو ہدیۃً گوشت بھیجا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کو فرماتے سنا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام مجھے بار بار پڑوسی کے تعلق نصیحت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ وہ اسے وارث بنا دیں گے۔ (۱۲)

حدیث نبوی میں پڑوسیوں کے ساتھ احسان کی کچھ عملی شکلیں بھی بیان ہوئی ہیں جس کا ذکر سے احسان کی روح کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

حضرت ابو ہریرہ اور ابو شریح العدوی رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: **ومن کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم جارہ** (۱۳) جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کی عزت اور اس کا ادب واحترام کرے۔

الترغیب والترہیب للاصبھانی (1/480) میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں مزید یہ اضافہ ہے جس سے پڑوسیوں کے حقوق کی وضاحت ہوتی ہے، لوگوں نے آپؐ سے پڑوسی کے حق کے بارے میں استفسار کیا تو آپ ﷺ نے کہا: **إن سألک فأعطه، وإن استغاثک فأغثه، وإن استقرضک فأقرضه، وإن دعاک فأجبه، وإن مرض فعده، وإن مات فشیعه، وإن أصابته مصیبة فعزه، ولا تؤذه بقتار قِدرک إلا أن تغرف له منها، ولا ترفع علیه البناء لتسد علیه الریح إلا بإذنه** ''اگر وہ کچھ مانگے تو اسے دو، مدد طلب کرے تو اس کی مدد کرو، قرض کا مطالبہ کرے تو قرض دو، دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرو، بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرو، انتقال کر جائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کرو، کوئی مصیبت لاحق ہو جائے تو اسے سہارا دو، اپنی ہانڈی کی بو سے اسے تکلیف نہ پہنچاؤ الا یہ کہ تم اسے بھی اس میں سے کچھ دو، اور اس کی اجازت بغیر اس کے مقابلہ میں

اپنا گھر اونچا نہ کروتا کہ اس سے اس کی ہوا نہ رک جائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: **لا یمنع جار جاره أن یغرز خشبه فی جداره** (۱۴) ''کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو منع نہ کرے کہ وہ اس کی دیوار میں اپنی شہتیر نصب کرے، ابو ہریرہؓ کہتے ہیں میں لوگوں کو اس چیز سے روگردانی کرتا ہوا کیوں دیکھ رہا ہوں، خدا کی قسم! میرا بس چلے تو ان کی شہتیریں ان کے کندھوں پہ ڈال دوں۔''

پڑوسی کو اگر اس بات کی ضرورت ہو کہ اپنے گھر کی شہتیر، بلّی وغیرہ اپنے پڑوسی کی دیوار میں نصب کرے تو اس کی ضرور مدد ہونی چاہیے بشرطیکہ اس سے اس کا کوئی نقصان نہ ہو رہا ہو کیونکہ کسی کو نقصان پہونچانا شرعاً ممنوع ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: **لا ضررَ و لا ضرارَ** (۱۵) ''نہ کسی کو کوئی نقصان پہنچے نہ وہ کسی کو نقصان پہنچائے۔''

حضرت ابوذر غفاریؓ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کہا: **یا أبا ذر إذا طبخت مرقة فأکثر مائها و تعاهد جیرانک** (۱۶) ''اے ابوذر جب تم سالن پکاؤ تو اس میں تھوڑا پانی بڑھا دیا کرو اور پڑوسیوں پر ایک نظر ڈال لیا کرو، یا یہ فرمایا کہ: اور ان میں تقسیم کر دیا کرو۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا: **لَیسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِی یَشْبَعُ وَ جَارُهُ جَائِعٌ إِلَی جَنْبِهِ** (۱۷) ''وہ مومن نہیں ہے جو شکم سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔''

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: **یا نساء المسلمات، لا تحقرن جارة لجارتها، و لو فرسن شاة** ''مسلم خواتین! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو کوئی چیز خواہ وہ بکری کی کھر ہی کیوں نہ ہو ہدیہ کرنے کو حقیر نہ سمجھے۔''

یہ سب اس لیے ہے تا کہ آپسی تعلقات مضبوط ہوں، ایک دوسرے سے محبت میں اضافہ ہو، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: **تَهَادوا تَحَابُوا** (۱۸) ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرو گے۔

پڑوسیوں کا تیسرا حق جو ایک دوسرے پر واجب ہوتا ہے حق شفعہ ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ پڑوسی کو کسی دوسرے شخص کو اس کے پڑوس میں بسانے کے سبب ممکنہ دائمی ضرر اور تنازعہ سے

محفوظ کیا جائے۔

یہ حق اس پڑوسی کے لیے خاص ہے جس کی کوئی غیر منقول ملکیت [مکان، زمین، جائداد] دوسرے پڑوسی کی غیر منقول ملکیت کے بالکل پہلو میں اور جڑی ہوئی ہو، ذرا بھی الگ نہ ہو(۱۹)، اگر کوئی پڑوسی اسے قیمتاً فروخت کرنا چاہتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ سب سے پہلے وہ اپنے پڑوسی کو خریدنے کے لیے کہے، اور اگر اس کے بغیر کسی اور کو فروخت کرتا ہے تو اس کے پڑوسی کو خریدنے والے سے اسی قیمت میں جس قیمت میں اس نے خریدا ہے اس کی مرضی کے بغیر لینے کا حق ہے اسی کو حق شفعہ کہتے ہیں، یہ احناف اور قاضی شریح اور شعبی (۲۰) کی رائے ہے، دوسرے فقہاء [مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ (۲۱)] ان کے ساتھ نہیں ہیں، ان کے یہاں صرف غیر منقول ملکیت میں شریک کے لیے حق شفعہ ہے۔

حق شفعہ کے تعلق سے کافی تفصیلات ہیں جو کہ فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں یہاں ان کا ذکر کرنا ممکن نہیں ہے، اس حق سے استفادہ کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ان تفصیلات کو جانا جائے۔

پڑوسی کے لئے حق شفعہ کی حق میں کافی دلیلیں ہیں جن کی بنیاد پر احناف کی رائے راجح ودرست ہے، ان کی دلیلوں میں سے ایک دلیل صحیح بخاری کی حدیث ہے جسے ابورافع ؓ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا: الجارُ أَحَقُّ بِصَقَبِهِ (۲۲) (۲۳)۔ پڑوسی زیادہ حقدار اس چیز کا جو اس سے قریب ہے یا قریب ہونے کی وجہ سے پڑوسی کے شفعہ کا زیادہ حقدار ہے، منتقی ابن جارود کی روایت میں ہے کہ راوی ابونعیم نے عمرو سے کہا کہ صقب کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ اس سے مراد شفعہ ہے۔

جس پس منظر میں حضرت ابورافع نے یہ حدیث بیان کی ہے اسے سامنے رکھا جائے تو حق شفعہ کو سمجھنے میں بڑی آسانی ہوگی اور وہ پس منظر یہ ہے جیسا کہ صحیح بخاری (3 / 87) میں ہے:

حضرت عمرو بن شرید ؓ کہتے ہیں میں سعد بن ابی وقاص ؓ کے پاس تھا کہ مسور بن مخرمہ ؓ آ گئے اور میرے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا اور اسی اثناء میں ابورافع نبی ؐ کے آزاد کردہ غلام بھی آ گئے، ابورافع نے سعد ؓ سے کہا کہ اے سعد آپ کے مکان میں میرے جو دو کمرے ہیں اسے آپ خرید لیں، سعد نے کہا: بخدا میں نہیں خریدوں گا، اس پر مسور نے کہا بخدا آپ اسے ضرور خریدیں گے، اس پر سعد نے کہا کہ چار ہزار درہم سے زیادہ نہیں دوں گا اور وہ بھی قسط وار ادا کروں گا، ابورافع نے کہا کہ اس کے مجھے

پانچ سو دینار [چھ ہزار درہم] مل رہے تھے اور میں نے نہیں دیا اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ نہ سنا ہوتا کہ پڑوسی اس کے شفعہ کا زیادہ حقدار ہے تو میں اسے چار ہزار درہم میں نہ دیتا، مجھے تو اس کے پانچ سو دینار [چھ ہزار درہم] مل رہے تھے پھر انھوں نے انھیں [چار ہزار میں] اسے دے دیا۔

اسی سلسلے میں دوسرا واقعہ یہ کہ عمرو کے والد شرید بن سوید نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: **أرض لیس فیھا لأحد قسم و لا شرک، إلا الجوار، قال: الجار أحق بسقبه** (۲۴) کہ میری ایک زمین جس میں کسی کا کوئی حصہ ہے نہ کسی کی شرکت سوائے پڑوسی کے تو آپؐ نے فرمایا: پڑوسی قریب ہونے کی وجہ سے زیادہ حقدار ہے۔

دوسری دلیل سمرہ بن جندب کی روایت ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: **جار الدار أحق بدار الجار أو الأرض من غیرہ** (۲۵) گھر سے ملا ہوا پڑوسی پڑوسی کے گھر اور اس کی زمین کا دوسروں کے مقابلہ میں زیادۃ حقدار ہے۔

طبرانی نے معجم کبیر (7/262) میں کچھ تفصیل کے ساتھ یہ روایت آئی ہے: مَنْ بَاعَ أَرْضًا أَوْ دَارًا، فَإِنَّ جَارَ الْأَرْضِ، وَجَارَ الدَّارِ هُوَ أَحَقُّ بِابْتِيَاعِهَا إِذَا أَقَامَ ثَمَنَهَا ''جو شخص کوئی زمین یا گھر بیچنے کا ارادہ کرے تو اس زمین یا گھر سے متصل پڑوسی اس کے خریدنے کا زیادہ حقدار ہے بشرطیکہ وہ اس کی قیمت دے رہا ہو۔

تیسری دلیل حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **الجار أحق بشفعة جارہ ینتظر بھا و إن کان غائبا، إذا کان طریقھما واحدا** (۲۶) کہ پڑوسی اپنے پڑوسی کے شفعہ کا زیادہ حقدار ہے اس کا انتظار کرے گا گرچہ وہ غائب ہو، یہ اس وقت ہوگا جب دو پڑوسیوں کا راستہ ایک ہو۔

یہ ساری تعلیمات اس لیے ہیں کہ زندگی خوشگوار ہو، خوبخت ہو، اس خوش بختی میں اہم کردار پڑوسی کا ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے مسلم شخص کی خوش بختی میں سے یہ بات ہے کہ اس کا مسکن کشادہ ہوں، اس کا پڑوسی صالح ہو اور اس کی سواری خوشگوار ہو (۲۷)، اسی وجہ سے اللہ کے نزدیک بہترین پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے اچھا ہو (۲۸)، اور کوئی شخص اچھا نہیں ہوسکتا جب تک اس کا پڑوسی اسے اچھا نہ کہے، رسول اللہ ﷺ سے ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول

ﷺ مجھے عمل بتائیں جو مجھے جنت میں لے جائے تو آپؐ نے فرمایا: اچھے اور نیک بن جاؤ، اس نے کہا مجھے کیسے معلوم ہو کہ میں اچھا اور نیک ہو گیا، تو آپؐ نے فرمایا: جب اپنے پڑوسی کو کہتے سنو کہ تم نے اچھا کیا تو تم اچھے ہو اور اگر یہ کہتے سنو کہ تم نے برا کیا تو تم برے ہو۔(۲۹)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ المفصل فی شرح حدیث من بدل دینہ فاقتلوہ (61/3)

۲۔ مسند احمد (29/20) علامہ البانی اور شعیب ارنؤوط۔رحمہا اللہ۔نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

۳۔ مسند احمد (422/15) امام ذہبی، علامہ البانی اور شعیب ارنؤوط نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

۴۔ اصول الدین عند الامام ابی حنیفۃ (ص:451)، شرح العقیدۃ الطحاویۃ (ص:350)

۵۔ الأدب المفرد (ص:52)، التنویر شرح الجامع الصغیر (236/8)، حدیث حسن لغیرہ ہے۔

۶۔ مسند احمد (277/39) علامہ البانی رحمہ اللہ نے حدیث کو صحیح بتایا ہے۔

۷۔ السراج المنیر (119/4)

۸۔ مسند احمد (446/36) المعجم الکبیر الطبرانی (191/20)

۹۔ الأساس فی التفسیر (1059/2)

۱۰۔ سنن ابن ماجہ (1410/2) محمد فواد عبد الباقی نے اس حدیث کی سند کو حسن کہا ہے۔

۱۱۔ تفہیم القرآن (433/5) سلسلۃ التفسیر لمصطفی العدوی (9/9)

۱۲۔ الأدب المفرد (ص:50) علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے

۱۳۔ ابو ہریرہؓ صحیح مسلم (68/1)

۱۴۔ صحیح بخاری (132/3)، صحیح مسلم (1230/3)

۱۵۔ سنن ابن ماجہ (432/3) یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے۔

۱۶۔ صحیح مسلم (2025/4)، الأدب المفرد (53)

۱۷۔ الأدب المفرد (ص:52)، علامہ البانی۔رحمہ اللہ۔نے کہا ہے یہ حدیث صحیح بتایا ہے۔

۱۸۔ السنن الکبری للبیہقی (280/6)

۱۹۔ اس کے لئے احناف ملاصق کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس کی وضاحت مثالوں کے ذریعہ کیا ہے، امام محمد بن الحسن الشیبانی نے الأصل (220/9) میں کہا ہے کہ دونوں کا گھر پہلو میں ہو، اور ان کے درمیان کوئی عام راستہ نہ ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ نہر کے دونوں طرف دو لوگوں کی زمینیں ہوں تو نہر کے پیچھے جانے پر دونوں کے لیے

حق شفعہ ہے۔ کنز الدقائق (ص:583) میں کہا ہے کہ دونوں کی دیوار مشترک ہو یا دیوار پر جو لکڑی رکھی ہوئی ہے وہ مشترک ہو، اور مرشد الحیر ان (ص:17) میں ہے کہ گراؤنڈ فلور پر رہنے والا اور اس کے اوپر والے فلور پر رہنے والا دونوں ملاصق ہیں اور ان کے لیے حق شفعہ ہے۔

۲۰۔ عیون المسائل (ص:258)، التہذیب فی فقہ الإمام الشافعی (4/339)

۲۱۔ التفریع (2/334)، البیان (7/101)، المغنی (5/230)

۲۲۔ النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر (5/2350،1950) میں الصقب یا السقب کے معنی: قریب ہونا، ملا ہوا ہونا ہے اور اس سے مراد شفعہ ہے۔

۲۳۔ صحیح البخاری (9/28)

۲۴۔ سنن ابن ماجہ (2/834)، مسند احمد (32/212)، مسند ابن ابی شیبہ (2/390)، شرح معانی الآثار (4/124)

۲۵۔ سنن ابی داود (3/286) سنن الترمذی (3/642) مسند احمد (33/361) المعجم الکبیر للطبرانی (7/196) امام ترمذی نے کہا کہ حدیث حسن صحیح ہے، علامہ البانی نے بھی إرواء الغلیل (5/377) میں صحیح بتایا ہے۔

۲۶۔ سنن ابی داود (3/286) امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب بتایا ہے۔

۲۷۔ مسند احمد (24/86) علامہ البانی نے صحیح لغیرہ بتایا ہے۔

۲۸۔ مسند احمد (6/140) علامہ البانی نے السراج المنیر (3/130) میں صحیح کہا ہے۔

۲۹۔ سنن ابن ماجہ (5/303) شعیب رنؤوط نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔

نئی معاشی پالیسیاں اور ہندوستانی معیشت

سراج الدین فلاحی
(فتح پوری، مسلم سینئر سیکنڈری، اسکول، نئی دہلی)

لبرلائزیشن، پرائیوٹائزیشن اور گلوبلائزیشن جسے ایل پی جی کہا جاتا ہے یہ وہ اصلاحی اور اصطلاحی کلمات ہیں جنہیں آج کی دنیا اور اس میں رہنے والے سرمایہ داروں نے نظام معیشت کے سدھار کے طور پر ایجاد کیا تھا۔ ان پالیسیوں سے ہندوستانی معیشت میں بہت بڑا بدلاؤ آیا۔ ان کے آنے کے بعد ہندوستانی معیشت کا رخ پبلک سیکٹر سے پرائیویٹ مونوپولی میں بدل گیا۔

1947 میں جب ملک آزاد ہوا تو پبلک انٹرپرائزز (PSUs) کو ملک کی معاشی ترقی اور نشوونما کے لیے ایک بڑا رول دیا گیا تاکہ ملک کے وسائل حکومت کے ہاتھوں میں رہیں اور حکومت سماجی فلاح و بہبود کے مقصد سے تعلیم، صحت، صنعت اور تجارت جیسے شعبوں میں منصفانہ کام کرے جس سے نہ صرف ملک میں ترقی کا توازن برقرار رہے بلکہ آمدنی اور دولت کی تقسیم کا توازن بھی بگڑنے نہ پائے۔ حکومت نے تمام شعبہ جات کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور 1956 یعنی دوسرے پنج سالہ منصوبے میں ملک کو خودکفیل بنانے کے لیے صنعتی انقلاب برپا کیا۔ چونکہ انڈیا ابتدا سے ایک زراعتی ملک رہا ہے اس لیے صنعتی انقلاب کے باوجود یہاں کی انڈسٹریاں وہ معیار حاصل کرنے میں ناکام رہیں جو ترقی یافتہ ممالک کی انڈسٹریز نے سوسال پہلے حاصل کرلیا تھا۔ چنانچہ ملک کے اندر اور باہر دونوں جگہوں پر ہندوستانی انڈسٹریز کے بنائے ہوئے سامانوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا جس کے نتیجے میں ملک کے اندر باہری اشیاء کی ڈیمانڈ بڑھتی گئیں۔ اس کے مدنظر حکومت نے 1947 سے 1990 کے درمیان Inward looking trade strategy اپنائی جس کے تحت گھریلو انڈسٹریز کو بچانے کے لیے حکومت نے بھاری امپورٹ ڈیوٹی اور امپورٹ کوٹا لگایا تاکہ گھریلو انڈسٹریز کے ذریعے بنائے ہوئے سامان بکیں اور دیگر ممالک سے اشیاء کے امپورٹ کو روکا جا سکے۔ ان کے علاوہ

اس پیریڈ تک چونکہ بینکنگ، مالیات، صنعت، صحت اور تعلیم سے متعلق زیادہ تر شعبے حکومت کی نگرانی میں کام کرتے تھے اس لیے پرائیویٹ گھرانوں کو اپنی انڈسٹریز چلانے کے لیے حکومت سے لائسنس لینا پڑتا تھا جس کا ملنا بہت مشکل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس دور کو لائسنس پرمٹ راج بھی کہا جاتا تھا۔ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا اور 80 کی دہائی آتے آتے پبلک انٹرپرائز زکی کاہلی یا ناکامی کی وجہ سے ملک مقروض ہوکر معاشی بحران کی طرف بڑھنے لگا۔ مالیاتی خسارے میں زبردست اضافہ ہوا اور وہ بڑھ کر ساڑھے آٹھ فیصد پر آ گیا، غیر ملکی زرمبادلہ جو کسی بھی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی سمجھا جاتا ہے اس وقت صرف دس روز کا بچا ہوا تھا، خلیجی بحران کی وجہ سے پٹرول کی قیمتیں بڑھ گئیں جس کی وجہ سے افراط زر 16.7 فیصد کے ریکارڈ اضافہ پر پہنچ گیا۔ نتیجۃً انڈیا کا بیلنس آف پیمنٹ ڈگمگا گیا یعنی ایکسپورٹ کم اور امپورٹ بہت زیادہ ہوگیا۔ یہ اور اس طرح کی کئی وجوہات کی بنا پر ملک کی کریڈٹ ریٹنگ گر گئی اور انڈیا کو عالمی بینک سے قرض ملنا بند ہوگیا۔ چونکہ فارن ریزرو بہت کم تھا اس لیے انڈیا کو نئے قرض حاصل کرنے کے لیے نہ صرف ملک کے سونے کو گروی رکھنا پڑا بلکہ عالمی بینک کی شرطوں پر LPG پالیسیوں کو بھی اپنانا پڑا۔ عالمی بینک نے قرض دینے سے قبل انڈیا کو شرائط پر مبنی ایک لسٹ سونپی جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ انڈیا اپنی کرنسی کی ویلیو 22 فیصد کم کرے۔ انڈیا نے نہ صرف عالمی بینک کے کہنے پر اپنی کرنسی کی ویلیو گرائی بلکہ وہ سب کچھ کیا جو عالمی بینک نے کہا۔ لہٰذا یہ بات دھیان میں رہنی چاہیے کہ نئی معاشی اصلاحات کو انڈیا نے بخوشی قبول نہیں کیا بلکہ یہ انڈیا پر تھوپی گئی تھی۔ بعض ماہرین معاشیات تو یہاں تک کہتے ہیں کہ پبلک انٹرپرائزز کو جان بوجھ کر ناکام کیا گیا تاکہ ملک میں معاشی بحران پیدا ہو اور انڈیا جلد از جلد LPG ریفارم اپنائے جس کے ذریعے ملٹی نیشنل کمپنیاں گلوبلائزیشن کے تحت اپنے پروڈکٹ انڈیا میں بیچ سکیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے جو آج ہم دیکھتے ہیں کہ انڈین مارکیٹ پر غیر ملکی کمپنیوں کے پروڈکٹ کا قبضہ ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ 1991 کی معاشی اصلاحات سے ہندوستانی معیشت پر دورس نتائج برآمد ہوئے۔ اس پالیسی کو اختیار کرنے کے بعد انڈیا کے بعض شعبوں کو واقعی بہت فائدہ بھی ہوا۔ صنعتی، مالیاتی، ٹیکسز وغیرہ میں ایک بڑا ریفام آیا۔ صنعتی لائسنس ختم کر دیا گیا نیز سرمایہ جاتی اشیاء (Capital Goods) کے امپورٹ پر عاید پابندی ہٹالی گئی، ملٹی نیشنل کمپنیاں آئیں، ان کمپنیوں

نے انڈیا میں سرمایہ کاری کی، سرمایہ کا فلو بڑھا، جس کے نتیجے میں ہندوستانی معیشت میں حرکت پیدا ہوئی اور یہاں کی پروڈکشن یونٹ کی صلاحیتوں میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ نہ صرف انڈیا کا گروتھ ریٹ بڑھ گیا بلکہ یہاں کی IT صنعت نے دنیا میں اپنی ایک الگ پہچان بنائی، کلر ٹی وی، موبائل فون آیا اور عالمی بازار میں انڈیا کا نام ہوا، آج فارن ایکسچینج کا ایک بڑا ذخیرہ انڈیا کے پاس موجود ہے۔ ان کے علاوہ چونکہ کمپنیوں میں مسابقہ آرائی ہوئی اس لئے چند اشیاء کی قیمتوں میں کمی کی وجہ سے خریداروں کا بھی فائدہ ہوا۔ بینکنگ سیکٹر میں بھی ریفام ہوا اور وہ RBI جو پہلے ریگولیٹر ہوا کرتا تھا اب اس کا رول صرف سہولتیں مہیا کرنے تک محدود ہے۔ بطور خاص لبرالائزیشن کے تحت صنعتی، مالیاتی، غیر ملکی مبادلہ، ٹیکسز اور تجارت و سرمایہ کاری سے متعلق بہت سارے ریفام ہوئے۔ ساتھ ہی حکومت کے ذریعے نافذ کی گئی غیر ضروری پابندیوں مثلاً پرمٹ، لائسنس، کوٹا وغیرہ سے معیشت کو بہت حد تک نجات بھی ملی۔ لیکن اس سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ یہیں سے بازاری کرن کی بھی ابتدا ہوئی، یہیں سے امیروں اور غریبوں کے درمیان آمدنی کی تقسیم میں بھاری فرق بھی آیا۔ آج ملک کے ایک فیصد لیڈنگ کلاس کے پاس ملک کی 50 فیصد دولت ہے جبکہ نچلے 60 فیصد عوام کے پاس ملک کی صرف 4.5 فیصد آمدنی ہے۔ 1991 سے قبل کمپنیوں کے وہ مینیجنگ ڈائریکٹر جس کی بیش ترین تنخواہ 3 لاکھ 12 ہزار روپیہ فی ماہ تھی اس میں دس سال کے اندر سینکڑوں گنا اضافہ ہوا اور بڑھ کر کروڑوں میں پہنچ گئی لیکن وہیں مزدوروں کی اجرت محض تین گنا بڑھی۔ اسی لیے جب آپ اس کا ایمانداری سے ایک متوازن تجزیہ کریں گے تو دیکھیں گے اس کا فائدہ صرف اوپر اوپر ہوا نیچے والے بالکل نیچے چلے گیے۔ چنانچہ یہ بات عالمی بینک بھی مانتا ہے کہ LPG کے نام سے رائج نئی معاشی پالیسیوں نے دنیا میں بازاری کرن کو فروغ دیا ہے اور بازاری کرن میں غریب شخص ہمیشہ مات کھاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بازار کبھی بھی سوسائٹی کے غریب طبقات پر دھیان نہیں دیتا یعنی بازار میں اخلاقی اور سماجی ذمہ داریاں نہیں ہوتیں۔ بازار یہ دیکھتا ہے کہ کس کے پاس قوت خرید زیادہ ہے جس کے پاس قوت خرید زیادہ ہوتی ہے انہیں کی پسند اور ترجیحات کے مطابق وہ سامان بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج نفسیاتی حربوں کا استعمال کر کے لوگوں کی ترجیحات بدل دی گئیں۔ ترجیحات بدلنے سے لوگوں کا کنزمشن باسکیٹ بھی بدل گیا ہے، چنانچہ اب لوگ تعلیم، صحت اور فوڈ آئیٹم یعنی کھانے پینے پر کم خرچ کر کے اپنی آمدنی کا زیادہ تر

حصہ سگریٹ، شراب، موبائل فون، کلرٹی وی اور دیگر الیکٹرانک یا اشیائے تعیّشات پر خرچ کرتے ہیں جو سمٹ سمٹ کر اسی ایک فیصد کارپوریٹ گھرانوں کی تجوری میں چلا جا رہا ہے جن کے پاس ملک کے 50 فیصد وسائل ہیں۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ گلوبلائزیشن سے ملک کی GDP میں اضافہ ہوا ہے لیکن چونکہ اس کا فائدہ براہ راست سرمایہ داروں کو ہوا ہے اس لیے دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ گیا ہے نیز اس سے زراعت، گھریلو صنعت (MSME) اور چھوٹی تجارت وغیرہ کو بہت نقصان ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ مقامی مشروبات کی جگہ لوگ کولا اور پیپسی کے پیچھے بھاگتے رہے ہیں۔ چنانچہ آج ملک کی ایک بڑی آبادی غربت میں اپنی زندگی بسر کر رہی ہے اور اقوام متحدہ کے مطابق دنیا کے تقریباً آدھے غریب انڈیا میں رہتے ہیں۔ غریب اور رکشے والوں کے ہاتھوں موبائل فون، کلرٹی وی دیکھ کر یہ سمجھنا کہ ملک ترقی کر رہا ہے حقیقت سے منہ چھپانا ہے۔ کیا موبائل فون سے غریبوں کا معیار زندگی بلند ہو گیا؟ کیا ان کا کھان پان بڑھ گیا؟ کیا ان کی صحت اور تعلیم پر مثبت اثرات پڑے ہیں؟ گلوبلائزیشن واضح طور پر ایک ایسی معاشی پالیسی ہے جو ترقی یافتہ یا صنعتی ممالک نے ترقی پذیر یا غریب ملکوں پر مسلط کی ہے تاکہ وہ اپنی کمپنیوں جسے ملٹی نیشنل کمپنیاں کہا جاتا ہے کے ذریعے ان کے وسائل پر قبضہ کر سکیں۔ چونکہ گلوبلائزیشن کے نتیجہ میں ملٹی نیشنل کمپنیاں اور تجارتی ادارے ملک میں داخل ہو جاتے ہیں اس لیے بیرونی اشیاء کے ملک میں داخلہ سے جن مقامی کمپنیوں میں ان کے مقابلہ کی سکت ہوتی ہے وہ ٹک پاتی ہیں بقیہ صنعتیں ٹھپ پڑ جاتی ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ گلوبلائزیشن کی چکاچوند نے زراعت کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ چنانچہ وہ زراعت جس کا حصہ GDP میں تقریباً آدھا تھا وہ گھٹتے گھٹتے 15 فیصد پر آ گیا اور آج کسان اپنی مانگوں کو لے کر سڑکوں پر سراپا احتجاج ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انڈیا کے اندر دیہی اور شہری طرز زندگی میں نمایاں فرق ہے۔ 1991 سے قبل انڈیا کی معیشت جو بہت زیادہ کلوز تھی یعنی دیگر ممالک کے لیے انڈیا میں تجارت کرنا آسان نہیں تھا وہ LPG پالیسی کو اختیار کرنے کے بعد پوری دنیا کے لیے کھول دی گئی لہٰذا اب تمام ممالک اور ان کی کمپنیاں انڈیا میں آسانی سے تجارت اور سرمایہ کاری کر رہی ہیں اور یہاں کی مارکیٹ کو capture کر رہی ہیں، چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انڈیا کی چھوٹی انڈسٹریز مارکیٹ میں ٹک نہیں پاتیں اور نقصان اٹھا کر

بند کردی جاتی ہیں۔قابل غور بات یہ ہے کہ LPG پالیسی کے تحت نہ صرف مارکیٹ سب کے لیے کھلا چھوڑ دیا گیا بلکہ پرائیویٹائزیشن کا ایسا بھیانک دور آیا جس میں آہستہ آہستہ اس بات کو یقینی بنایا جانے لگا کہ اب اسٹیٹ نہیں بلکہ پرائیویٹ اداروں کا لیڈنگ رول ہوگا لہذا وہی ملک چلائیں گے۔ البتہ سماج کے ہرفرد کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنی پریشانیوں کا حل خود نکالے۔

دور حاضر کی رائج معیشتوں میں یہ مہاجنی اصطلاحیں سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے بنیادی اصولوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ان سب کا مقصد نہ صرف یہ ہے کہ لبرلائزیشن کے نام پر حکومت کے ڈائریکٹ یا فیزیکل کنٹرول سے آزادی حاصل کی جائے بلکہ بھاری منافع کما کر حکومت کے زیر نگرانی اکثر و بیشتر شعبوں کو یکے بعد دیگرے خرید لیا جائے تا کہ ان شعبوں میں حکومت کا عمل دخل کم سے کم یا نہ کے برابر رہ جائے۔یہی وجہ ہے کہ اکثر ملٹی نیشنل اور بڑی کمپنیاں دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتی رہتی ہیں جبکہ سرکاری کمپنیوں کا برا حال ہوتا ہے۔مثلاً ریلائنس اور ایئرٹیل ترقی کررہی ہیں لیکن BSNL اور MTNL ٹھپ پڑ چکی ہیں۔ان پالیسیوں کا مقصد یہ بھی ہے کہ مارکیٹ کو اس طرح کھول دیا جائے کہ اس کے اندر اشیاء اور خدمات کی پروڈکشن اور ان کی قیمتوں کا تعین وہی کارپوریٹ کریں جو ملک کے وسائل پر قبضہ کرتے چلے جارہے ہیں۔اس کا اثر یہ ہوا کہ پرائیویٹ مالکان انسان کی بنیادی ضروریات والی اشیاء وخدمات کے مالک اور مختار کل بن رہے ہیں اور ان کی منہ مانگی قیمت وصول کررہے ہیں، جس کے نتیجے میں مہنگائی آسمان چھورہی ہے اور ملک کی غریب عوام اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لیے ترسنے لگی ہے۔

ایل پی جی کی انہیں اصطلاحات نے فری مارکیٹ نظام کو فروغ دیا ہے۔فری مارکیٹ اس نظام معیشت کو کہتے ہیں جس میں معیشت کے مرکزی مسائل کو ڈیمانڈ اور سپلائی کی بازارقوتوں پر چھوڑ دیا جاتا ہے نیز اشیاء اور خدمات کی پروڈکشن، تکنیک اور پروڈکشن سے حاصل ہونے والی آمدنی کی تقسیم پروڈیوسر کی صوابدید پر چھوڑ دی جاتی ہے کہ وہ جو چاہے پروڈیوس کرے، جس تکنیک کو چاہے اختیار کرے اور جس طرح چاہے آمدنی کی تقسیم کرے۔ایسے میں ظاہر ہے پرائیویٹ کمپنیاں وہی اشیاء پروڈیوس کریں گی جس کی مارکیٹ میں ڈیمانڈ اس کی سپلائی سے زیادہ ہوتی ہے تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ منافع کما سکیں۔معاشیات کا بنیادی اصول ہے کہ جب کسی شئی کی ڈیمانڈ اس کی سپلائی سے زیادہ ہوتی

ہےتو اس شئ کی قیمت بھی زیادہ ہوتی ہے۔لہذا اس نظام میں سوسائٹی کا کمزورطبقہ سب سے زیادہ متاثر ہوتا ہے کیونکہ ان کے پاس کارپوریٹ کے بنائے ہوئے سامانوں کوخریدنے کے لیے پیسہ نہیں ہوتا۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ دنیا کا موجودہ نظام معیشت کسی بھی طرح کی اخلاقیات کا پابند نہیں ہے۔ چونکہ اس نظام معیشت میں کارپوریٹ گھرانوں کو ہر سطح پر چھوٹ ملی ہوتی ہے اوران کا ٹارگیٹ زیادہ سے زیادہ دولت و مادیت کا حصول ہوتا ہے اس لیے اس میں ہر سطح پر شدید دھاندلیاں، لوٹ گھسوٹ، اندھیر نگری اور بے ضابطگی پائی جاتی ہے اوران سب کے لیے فری مارکیٹ سے بہتر نظام اور کیا ہوسکتا ہے!؟ موجودہ نظام معیشت میں ذاتی ملکیت ہی اول وآخر کا درجہ رکھتی ہے، اس نظام معیشت میں عوامی ملکیت اوراسٹیٹ ملکیت کا تصور برائے نام ہے اوران کی پشت پرکوئی اصول وضوابط اورقوانین موجود نہیں ہیں اوراگر موجود بھی ہیں تو ان میں تاثیر نہیں ہے۔لہذا مذکورہ حقائق کی روشنی میں اگر نتیجہ اخذ کیا جائے تو لبرلائزیشن، پرائیویٹائزیشن اورگلوبلائزیشن کی سرمایہ دارانہ پالیسیوں کواختیار کرنے سے مجموعی طور پر ملک کی بڑی آبادی کو نقصان زیادہ ہوا ہے اوراس کے اکثر و بیشتر فوائد ساہوکاروں کے ہاتھوں میں چلے گئے ہیں۔

ڈاکٹر محمد عمارہؒ: فکر اسلامی کا مضبوط قلعہ

تحریر: ڈاکٹر وصفی عاشور
ترجمہ: روید خان فلاحی
(ریسرچ اسکالر، ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ)

ڈاکٹر محمد عمارہ ۴/رجب ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۸/فروری ۲۰۲۰ کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ آپ کی رحلت سے عالم اسلام، علماء اسلام اور تمام مسلمان فکر اسلامی کے عظیم ترجمان سے محروم ہو گئے۔ آپ اسلامی حقائق کی وضاحت کرنے والے، باطل کے پنجوں سے اسلام کا دفاع کرنے والے اور اسلامی تاریخ میں تہذیب اسلامی کے علمبردار، نیز بلند اقدار کے پیکر تھے، ان کی رحلت کے سبب عالم اسلام کو عظیم خسارہ ہوا۔

ڈاکٹر محمد عمارہ اسلام کو درپیش مسائل کے لیے ایک مظبوط قلعہ اور الحاد، مارکسزم، سیکولرزم اور مغربی دھاروں کے سامنے ایک مستحکم دیوار تھے۔ سیکولرزم کی کمر توڑنے اور سیکولرسٹوں کے غرور کو پارہ پارہ کرنے نیز مصر میں سیکولرزم کے دھارا کو ختم کرنے کا کریڈٹ انہی کو جاتا ہے۔

ڈاکٹر محمد عمارہ کی فکری کاوشیں مختلف علمی مجلّات اور ورکشاپ وغیرہ میں چھپنے اور پیش ہونے والے ۳۰۰ سے زائد کتابیں، ہزاروں مضامین، تحقیقی مقالات اور انسائکلو پیڈیاز کی صورت میں منظر عام پر آئیں۔ انھوں نے تن تنہا اتنے کارہائے نمایاں انجام دیے جو بڑے بڑے اداروں اور تحقیقی مراکز کے لیے مشکل ہے۔ ایک مرتبہ ان سے سوال کیا گیا؛ فکری منصوبہ کی وہ بنیادی خصوصیات کیا ہیں جن کے بارے میں آپ برابر گفتگو کرتے رہتے ہیں؟ محمد عمارہ کا جواب تھا؛ ہماری کوشش یہ ہے کہ اسلام کی حقیقت اور اس کے خدوخال: عقیدہ، شریعت اور اسلام کے فکری نظام کو واضح کیا جائے، اسلامی معاشرے کی بحالی کی جائے، انسانوں کی اسلامی خطوط پر رہنمائی ہو، اسلام کی آفاقیت نیز اسلامی ماحول کو سامنے لایا جائے اور اسلامی احکام کو موجودہ صورت حال پر منطبق کیا جائے، اسلام کے

خلاف برپا جنگ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے ،مختصر یہ کہ ہمارا اسلام کیا ہے؟ اسلام کو سمجھنے اور اس کو جوں کا توں برقرار رکھنے کے لیے کس چیز کی ضرورت ہے اور اس کو کون سے چیلنجز درپیش ہیں؟ یہ سب ان کے فکری منصوبہ کے نقوش ہیں۔ ذیل میں ڈاکٹر عمارہ کے دس فکری نقوش کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس سے ان کے فکری منصوبہ کی اچھی طرح وضاحت ہوتی ہے۔

اسلامی اور مغربی افکار کا مطالعہ

ڈاکٹر عمارہ نے اسلام اور مغرب کا مطالعہ کیا، انھوں نے اسلامی فلسفہ، اسلامی فرق اور اسلامی افکار ونظریات میں اپنی مہارت کے ذریعے فکر اسلامی میں درک حاصل کیا اور اس فکر کو سمجھنے میں جامع از ہر سے اخذ واستفادہ کا اہم رول رہا ہے، چونکہ ان کا اختصاصی موضوع ''افکار ونظریات'' تھا۔ اس کی وجہ سے انھوں نے مغربی افکار کا بھی خوب خوب مطالعہ کیا، مشرق ومغرب کی طرف سے اسلام کو درپیش چیلنجز پر نظر ہونے کی وجہ سے انھوں نے مغرب کی منصوبہ بندیوں اور ان کی پالیسیوں کا تجزیہ کیا، اس درمیان ان کی ایسی تصنیفات منظر عام پر آئیں، جن کے عناوین ہی سے اس کے امتزاج اور فکر اسلامی اور مغربی افکار کے درمیان موازنہ کی خوبی جھلکتی ہے۔ اس موضوع پر ان کی درج ذیل شاہکار تصانیف منظر عام پر آئیں: [۱] **الخطاب الدینی بین التجدید الاسلامی و التبدید الامریکانی** [۲] **مستقبلنا بین التجدید الاسلامی و الحداثة الغربیة** [۳] **فی فقه المواجهة بین الغرب و الاسلام**

اسلامی فکر اور مغربی افکار کے مطالعہ کے اس امتزاج نے ڈاکٹر عمارہ کے اسلوب پیش کش کو ممتاز اور نمایاں کر دیا، ان کے اندر مغربی افکار ونظریات کے مقابلے میں فکر اسلامی کے امتیازات کو بیان کرنے کا اچھا ملکہ پیدا ہو گیا، بلکہ اس جامع مطالعہ کے ذریعہ انھوں نے اسلام کے حق میں مغربی مصنفین کی ایسی آراء اور شہادتیں پیش کیں جس سے اسلام کا پرچم اور بھی بلند ہو جاتا ہے، چنانچہ انھوں نے اپنی کتاب ''**الاسلام فی عیون غربیة**'' میں مغربی غیر مسلم مصنفین کی ۱۳۲ ایسی شہادتیں یکجا کی ہیں جن میں ان مغربیوں کا رویہ اسلام کے تئیں منصفانہ ہے، دو قلمی منہجی نے اپنے قصیدہ ''**الیتیمة**'' میں عرض کیا ہے:

ضدان لما استجمعا حسنا والضد یظهر حسنه الضد

جب دو مخالف چیزیں جمع کی جائیں تو دونوں بھلی لگتی ہیں، متضاد اشیاء کی خوبی ایک دوسرے سے ظاہر ہوتی ہے، یہ خوبی ان قضایا اور مسائل میں واضح طور پر نظر آتی ہے جس میں انھوں نے اسلامی فکر اور مغربی افکار کے نقطۂ نظر کا موازنہ کیا ہے۔ انھوں نے جن مسائل کا موازنہ کیا، ان میں مغربی ا فکار کے مقابلہ میں اسلام کی خوبی، اس کا امتیاز اور اس کی برتری نمایاں ہے۔

علوم نقلیہ اور علوم عقلیہ میں امتزاج

ڈاکٹر محمد عمارہ کے فکری منصوبہ کے ممتاز نقوش میں سے یہ بھی ہے کہ انھوں نے علوم نقلیہ اور علوم عقلیہ دونوں میں درک پیدا کیا، جامع ازہر اور قاہرہ یونیورسٹی میں علوم شرعیہ کی تعلیم کے دوران علوم نقلیہ پر عبور حاصل کر لیا اور اسلامی فلسفہ، فکر اسلامی میں مہارت اور فرق اسلامی کے مطالعہ کے ذریعہ علوم عقلیہ پر بھی دسترس حاصل کر لی۔

ڈاکٹر محمد عمارہ نے علوم القرآن، علوم الحدیث، علم فقہ اور اجتہادی علوم کے سلسلے میں جو تصنیفات تیار کی ہیں وہ تصانیف ان بنیادی علوم کے بارے میں ان کے ایسے نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتی ہیں جو ہماری توجہ اور غور وفکر کا مستحق ہے اسی طرح انھوں نے جن شکوک وشبہات کا تشفی بخش جواب فراہم کیا ہے اس سے ان کی ایمانی فراست اور علوم نقلیہ پر گہری دسترس کا پتہ چلتا ہے نیز اس میں اعتدال کا پہلو بھی نمایاں ہے۔

اسی طرح اسلامی فرقوں سے متعلق بھی ان کی تحریریں موجود ہیں۔ آپ نے خلافت، سیاست اور آزادی کے سلسلے میں معتزلہ کے رجحانات کو ایم اے اور پی ایچ ڈی کا موضوع بنا کر فلسفہ پر دسترس حاصل کر لی، آپ نے "**مقام العقل فی الاسلام**" کے نام سے کتاب تصنیف کی جس میں "ایمانی فراست" اور "اعتدال" کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی ہے جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے، آپ نے شریعت کو عقل سے پڑھا اور عقل کا فیصلہ شریعت کے سایہ میں کیا، مختصر یہ کہ جو کچھ انھوں نے لکھا ہے، آپ ان سے بعض فقہی مسائل واجتہادات میں تو اختلاف کر سکتے ہیں لیکن مسائل پر بحث کرنے اور اجتہاد کو عملی جامہ پہنانے میں ان کی جسارت وجرأت کا انکار نہیں کر سکتے، وہ اسلام کے مخالف دھاروں اور اس کی حفاظت کے لیے ایک بے نیام تلوار تھے۔

علوم عقلیہ پر ان کی گہری دسترس کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ انھوں نے علوم نقلیہ کو دنیا کے سامنے اس انداز میں پیش کیا کہ وہ اصل سے مربوط، موجودہ دور سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ امت کی مشکلات، زمانے کی ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اسلام کو درپیش چیلنجز کا بھی مقابلہ کر سکتے ہیں وہ مارکسزم، سوشلزم، کمیونزم، کیپیٹلزم اور مغربی نظام جیسے مختلف نظاموں کی تردید کرنے نیز انھیں اسلام اور درست عقلیت کی کسوٹی پر پرکھنے میں کامیاب ہوئے وہ ان نظاموں کو اسلام کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد کھجور کے کھوکھلے تنے کی طرح ان کی بے وقعتی کو ظاہر کر دیتے ہیں۔

اسلام اور دیگر ادیان کا مطالعہ

ڈاکٹر عمارہ کے فکری منصوبہ کو ممتاز کرنے والی چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ انھوں نے علوم اسلامیہ کے اصول وفروع، معقولات ومنقولات کی معرفت حاصل کرنے کے ساتھ تقلید جامد اور عصبیت کے بجائے اجتہاد کے عمل کو ترجیح دی ساتھ ہی دوسرے ادیان و مذاہب کا گہرا مطالعہ کیا اور بہت سے درپیش مسائل کا اسلامی اور دوسرے ادیان بالخصوص یہودیت ونصرانیت کے نقطۂ نظر سے موازنہ کیا۔

ڈاکٹر عمارہ کی اس موضوع پر متعدد تصنیفات موجود ہیں جن سے ان دو مختلف ثقافتوں کے مطالعہ کی خوبی نمایاں ہوتی ہے مثلاً ''**علمانية المدفع و الانجيل**''، ''**مأزق المسيحيه و العلمانيه في اوربا**''، ''**القدس بين اليهوديه و الاسلام**'' جیسی کتابوں سے یہ خوبی ظاہر ہوتی ہے۔ اس جامع مطالعہ کے فوائد اس وقت سامنے آتے ہیں جب وہ فکری یا تشریعی مسائل پر گفتگو کرتے ہیں، چنانچہ جب وہ عورت کے مسائل یا نفس انسانی اور انسانی اقدار جیسے شادی، طلاق یا اللہ کی عبودیت کے سایے میں حریت و آزادی کی بات کرتے ہیں تو ان جیسے تمام مسائل میں اسلام کے منفرد اور جامع نقطۂ نظر کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ دوسرے ادیان کے نقطۂ نظر کی بھی وضاحت کرتے ہیں۔

جب اسلام کے غیر مسلموں سے تعلقات کے موضوع پر گفتگو کرتے ہیں تو اس وقت وہ اسلام کی یہ خوبی بیان کرتے ہیں کہ وہ دوسروں کے ساتھ بقائے باہم کے اصول کو قبول کرتا ہے اور یہ کہ اسلام کے سایہ میں دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے سکون کی زندگی بسر کرتے ہیں، ساتھ ہی دوسرے ادیان و مذاہب کی تنگی اور شدت پسندی کا ذکر کرتے ہیں، دوسرے مذاہب میں نسل پرستی کی

بنیاد پر ایک دوسرے کو مسترد کرنا، رسوا کرنا بلکہ معاملات کا قتل و غارت گری اور ہلاکت و بربادی تک پہنچ جانے کو بیان کرتے ہیں۔

اس طرح ڈاکٹر عمارہ دوسرے ادیان و مذاہب اور دوسرے قوانین کا مقارنہ پیش کرتے ہوئے اسلام کی خوبی کو واضح کرتے ہیں۔ عالمی سطح پر قدیم وجدید دور میں دعوت اسلام کو پیش کرنے کا ایک اہم ذریعہ اسی طرز تحریر کو مانا گیا ہے۔

جامعہ ازہر اور دار العلوم میں حصول تعلیم

جہاں تک ان فکری نقوش کی بات ہے جو ڈاکٹر عمارہ کے فکری منصوبہ کو امتیازی مقام حاصل کرنے میں معاون ثابت ہوئے اور انھیں نئی جہتیں عطا کیں نیز جن کی وجہ سے انھیں حقیقت پسند طور کے اہم معاملات کی گتھی سلجھانے کے ساتھ ساتھ امت کے مسائل کو حل کرنے میں آفاقیت عطا ہوئی، ان میں سے ایک یہ ہے کہ انھوں نے جامعہ ازہر اور دار العلوم قاہرہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی، جہاں جامعہ ازہر میں انھوں نے شریعت کے متون کو پڑھا وہیں دار العلوم کی تعلیم نے انھیں مستعد، جدت پسند، حقیقت پسند اور مؤثر بنایا۔ یہ وہ خصوصیات ہیں جن کو ان دونوں قدیم اداروں یا صرف دار العلوم میں پڑھنے والا شخص بآسانی حاصل کرسکتا ہے۔ دار العلوم میں تعلیم حاصل کرنے سے خاص طور پر وسعت نظری پیدا ہوتی ہے اور قانونی، تاریخی، فلسفیانہ، نفسیاتی، نحوی، بلاغی، ادبی اور تنقیدی جیسے متنوع موضوعات پر دسترس حاصل ہوجاتی ہے، اسی لیے ڈاکٹر عمارہ کی خوبیوں میں یہ چیز بھی شامل کی جاتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ابتداء ہی سے ادب اور لغت پر گہری گرفت رکھتے تھے جیسا کہ ان کی زندگی سے عیاں ہوتا ہے اور جن کی جھلک ان مسائل میں ملتی ہے جن سے وہ اصلیت، جدیدیت، آئیڈیلزم اور حقیقت پسندی کا موازنہ کرتے ہیں، ڈاکٹر عمارہ نے جاسم المطوع کو انٹرویو دیتے ہوئے بتایا کہ دار العلوم میں جو تعلیم انھوں نے حاصل کی اس کا ان کی زندگی پر گہرا اثر واقع ہوا، اجتہاد اور تجدید کے میدان میں ان کو جو ملکہ حاصل ہے اس پر وہ خود وہاں کی تعلیم کا اثر محسوس کرتے ہیں، اسی طرح ان کی مؤلفات کے کئی مضامین جو تجدید اور اجتہاد سے متعلق ہیں ان میں یہ پہلو نمایاں ہے نیز ان کے مقالات اور ٹیلی ویژن پر نشر ہونے والی گفتگو میں بھی اس کی امتیازی جھلک نظر آتی ہے۔

قدیم علم کلام اور عصری وفکری دھاروں کا مطالعہ

ڈاکٹر عمارہ کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ علم کلام پر ان کو وسیع معلومات حاصل تھی جس کی وجہ یہ ہے کہ دارالعلوم قاہرہ میں وہ ''شعبۂ اسلامی فلسفہ'' سے وابستہ تھے انھوں نے قدیم وجدید کے فلسفے کے ساتھ فکر اسلامی کا مطالعہ کیا، ایم اے اور پی ایچ ڈی میں ''معتزلہ'' کو موضوع بنا کر آزادی اور حکومت و سیاست کے سلسلے میں ان کے افکار ونظریات سے واقفیت حاصل کی پھر انھوں نے معاصر فکری دھارے اور موجودہ علم کلام کا مطالعہ کیا ساتھ ہی انھوں نے معتزلیوں کے ساتھ زندگی گذاری اور کچھ عرصے تک ان سے وابستہ رہے۔ یہ وابستگی ان کے لیے معاون ثابت ہوئی جیسا کہ وہ بتاتے ہیں کہ آزادی سے ان کی محبت اجتماعی انصاف اور انقلاب کی خاطر ان کی وابستگی تھی نہ کہ کسی اسلام مخالف عقیدے یا آیئڈولوجی کی بنیاد پر، جب انھوں نے اسلام کے مطالعہ میں درک حاصل کرلیا تو اسلام میں اس کو بہت عمدہ، منصفانہ اور جامع پایا پھر انھوں نے ان راہوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ ان کی تصانیف ''**العلمانية**''، ''**سقوط الغلو العلمانی**''، ''**نهضتنا الحديثه بين العلمانيه والاسلام**''، ''**التفسير الماركسی للاسلام**''، ''**مستقبلنا بين التجديد الاسلامی والحداثةالغربيه**'' وغیرہ سے ان کے مطالعات اسلامی اور جدید افکار پر تجزیاتی بحث کا ثبوت ملتا ہے۔

اس جامع مطالعہ کی ایک خوبی یہ سامنے آئی کہ قدیم فرق و مذاہب کے مصادر ومراجع، ان کے بنیادی مآخذ اور اسلام کے بارے میں ان کے اعتراضات اور شکوک وشبہات سے واقفیت کی وجہ سے ان کے اندر معاصر فکری نظریات جیسے سوشلزم، مارکسزم اور سیکولرزم کی تنقیح کی صلاحیت پیدا ہوگئی۔ اسی خوبی نے ڈاکٹر عمارہ کو عصری سماج اور مکالمے کے میدان میں ایک منفرد شناخت عطا کی۔ جس کا اظہار ان کی فکری اور دعوتی تحریک میں ہوتا رہا۔

اسلامی اور غیر اسلامی تصورات کا مطالعہ

ڈاکٹر عمارہ نے جن موضوعات کا مطالعہ کیا ان میں سے ایک جدید اسلامی تصورات کا موضوع ہے جس کے بارے میں کئی مقامات پر انھوں نے واضح کیا ہے کہ جس طرح عمارہ کو ان

تصورات سے لگاؤ ہے، اسی طرح ان اسلامی تصورات کو بھی عمارہ سے محبت ہے۔ عمارہ نے جہاں ان تصورات پر نقد کیا وہیں ان تصورات نے بھی ان کو صحیح رخ دیا ہے۔ عمارہ نے یہ بھی واضح کیا کہ مطالعہ کا ایک وسیع میدان 'غیر اسلامی نظریات' ہیں، یعنی ان کا کہنا تھا کہ جدید نظریات مارکسزم، سوشلزم، سیکولرزم، ایتھزم وغیرہ کا بھرپور مطالعہ ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر عمارہ نے ان تمام تصورات ونظریات کا مطالعہ کر کے بحث وتمحیص کی، وہ ان کے مستندات، شواہد، موقف اور مسلک کی نوعیت سے واقف ہوئے اور انھوں نے اسلامی بیداری سے متعلق ''**الصحوة الاسلامیةفی عیون غربیة، الصحوة الاسلامیةو التحدی الحضاری، الحرکة الاسلامیةرؤیة مستقبلة، الحرکات الاسلامیةرؤیة نقدیة**'' وقیع اور بیش قیمت تصانیف تحریر کیں۔

جہاں تک غیر اسلامی نظریات کے ساتھ ان کا تعلق ہے جن کے بعد وہ اسلامی افکار و نظریات کی طرف مائل ہوئے، ان کے بارے میں وہ لکھتے ہیں: ''میں معاشرتی مسائل کے لیے کمیونسٹوں کے ساتھ رہا لیکن دوران قید پڑھنے اور غور کرنے سے میں نے محسوس کیا کہ اجتماعی مسائل کا حل اسلام کے نظریۂ استخلاف میں پایا جاتا ہے نہ کہ طبقاتی جدوجہد اور مارکسزم میں۔

اسی وجہ سے ڈاکٹر عمارہ نے مغرب کے منصوبوں، مغربی انتہاپسندی اور سیکولرزم کی انتہا پسندی کے خلاف نصر ابوزید، حسن حنفی، سعید عشماوی، اور دیگر لوگوں کا تحریری طور پر جواب دیا ہے اس موضوع پر ان کی ''**التفسیر المارکسی للاسلام، فکرالتنویربین العلمانیین والاسلامیین، الحواربین الاسلامیین والعلمانیین**'' وغیرہ شاہکار تصانیف ہیں۔

اسی طرح انھوں نے اسلاف اور اسلاف پرستی کے موضوع پر بھی خامہ فرسائی کی ہے، جن کو سامنے رکھ کر بلا کسی تردد کہا جا سکتا ہے کہ عمارہ نے ان نظریات کا شعوری، فکری، عملی اور بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اور ساتھ میں ان پر اخلاص کے ساتھ تنقید بھی کی ہے۔ حتی کہ وہ اپنے وقت کی تحریکوں کے لیے مثال بن گئے اور اسی جامع مطالعہ نے انھیں اس پر اثر انداز ہونے کے قابل بنایا اور ان کی فکر پر علم وفعالیت اور حرکیت کے نقوش ثبت کر دیے۔

علم وعمل کے میدان میں ہم آہنگی

جہاں تک اس خصوصیت کی بات ہے یعنی علم وعمل کے میدان میں ہم آہنگی تو اکثر و بیشتر لوگوں میں اس کا فقدان ہے، یہ خیر اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے، ذہنوں اور دلوں میں گراں قدر اثر انداز ہونے والی ہے۔ کیونکہ عمل کے بغیر علم بے وقعت ہے اور عمل علم سے عاری ہو تو اس میں کوئی صداقت نہیں ہے اور علم وعمل، جہد مسلسل، صبر اور قربانیوں سے خالی ہو تو یہ زندگی میں نہ کوئی مثال اور نہ ہی حقیقی اثر قائم کرسکتا ہے۔ جہاں تک علم کی بات ہے تو اس وسیع وعریض منصوبہ کے مالک ڈاکٹر عمارہ جنھوں نے اسلام کے کسی بھی پہلو جیسے عقائد، شریعت، اخلاق، تہذیب وتمدن، معاملات وآداب، حق کی توضیح اور شبہات سے مدافعت، کوتشنہ نہیں چھوڑا حتی کہ یہ فکری منصوبہ ۳۰۰ سے زائد کتابوں پر حاوی ہوگیا جس کے بڑے دوررس اثرات مرتب ہوئے۔ جہاں تک عمل کا تعلق ہے تو وہ صہیونیت اور انگریزوں کے خلاف مارچ میں شریک رہے ہیں اور جب لوگوں نے جامع ازہر کے نصاب اور منہج تدریس کی اصلاح کے لیے آواز اٹھائی تو اس وقت بھی لوگوں کے ساتھ کھڑے رہے، اس طرح دنیا کے گوشوں سے بہت سے طالب علم ان کے علم سے فیض یاب ہونے اور ان کی کتابوں اور فکر سے مستفید ہونے کی غرض سے ان کے پاس آتے رہے ہیں اور وہ ہر طالب علم کے ساتھ فراخ دلی وفیاضی سے پیش آئے ہیں، جو عالم علم وعمل کے میدان میں ہم آہنگی پیدا کرے گا وہ علماء اور عوام الناس کے مابین مثال بن جائے گا ساتھ ہی عوام الناس کے اعتبار کو جیت لے گا اور اپنی زندگی کو اہل علم اور علم کے متوالوں کے لیے مشعل راہ بنا لے گا نیز اپنی فکر وعمل کو لوگوں کے درمیان رائج کردے گا نیز لوگوں میں اس کو مقبولیت حاصل ہوگی، لوگ اس کی طرف مائل ہوں گے اور اس سے مستفید ہوتے رہیں گے بالآخر وہ اس بابرکت درخت کے مانند سمجھا جائے گا جو اپنا پھل ہر فصل میں اپنے رب کے حکم سے دیتا رہتا ہے۔

فکر، ادب اور تصوف میں ہم آہنگی

ڈاکٹر عمارہ نے جن چیزوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کی جس سے ان کے فکری منصوبہ کو بلند پروازی عطا ہوئی، ان کی صدائیں چہار دانگ عالم میں سنی گئیں، اور جس سے ان کی باتوں میں ایسی تاثیر پیدا ہوگئی کہ عقل کے ساتھ دلوں پر بھی ان کا راج ہونے لگا یہ ہم آہنگی عمارہ کے فکری منصوبہ کی

نشر و اشاعت اور با اثر ہونے نیز بغیر اجازت قلوب و اذہان میں سرایت کرنے میں معاون ثابت ہوئی۔ یہ مؤثر ادبی اسلوب اور حیرت انگیز زبان ہے جو ان کے ماتحت ہے اور مترادفات ہیں جو ان کے سامنے سر تسلیم خم ہیں وہ اپنی فکر سے جس کی چاہتے ہیں تعبیر پیش کرتے ہیں اور اس کے ذریعے آراء کو مزین بنا کر پیش کرتے ہیں اور ان فکری تنازعات کو دوٹوک انداز میں بیان کرتے ہیں جو انھوں نے لڑے اور جیتے ہیں، اس ادبی لغت اور اس کے جمال کو خیال کی مضبوطی اور استحکام نے اپنے اندر سمالیا ہے۔

اسلوب کا جلال و جمال اور معانی کے نکھار سے ڈاکٹر عمارہ نے روح، ضمیر اور تمام اجزاء کے لیے مکمل غذا فراہم کی ہے۔ جہاں تک فکری پہلو کا تعلق ہے تو یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ ڈاکٹر عمارہ کی سب سے بڑی اور اہم خوبی مفکر ہونے کی ہے، یہ صفت ان کو فطری طور پر حاصل تھی ان کی جو بھی تصانیف اور تحقیقی مضامین معرض وجود میں آئے سب اسی خوبی کی دین ہے۔ اور رہا ادب کا تعلق تو وہ پر اثر اظہار خیال پر اپنی ادبی ثقافت کی خوبی کی نشاندہی کرتے ہوئے اظہار خیال فرماتے ہیں ''میں آزاد تعلیم کی دنیا میں چلا گیا اور اسے اپنا قیمتی وقت دیا حتی کہ میں نے مقررہ نصابی کتب کے اوقات کو مختصر کرنے میں عمومی ثقافت کو مددگار بنایا، آزاد تعلیم اور ثقافت عامہ ہی امتحانات میں جوابات کو مزین، بہتر اور خوبصورت بناتی ہے۔ جہاں تک تصوف کا تعلق ہے تو ڈاکٹر عمارہ سنت پر مبنی تصوف کے قائل تھے جس کا ذکر ان کی کتابوں میں اکثر و بیشتر ملتا ہے، تصوف نے ڈاکٹر عمارہ کو ذہنی سکون اور روح کے اطمینان کے لیے حضور ﷺ کی شان میں کلمات کہنا سکھائے، وہ ان الفاظ میں نبی ﷺ کے ساتھ اپنے تعلق کا اظہار کرتے ہیں ''میں عاشق رسول ہوں آپ ﷺ کی مقدس سنت اور سیرت میں غرق ہوں، آپ ﷺ کی صفات اور عادات کا حامل، آپ ﷺ کی خوبیوں کا گرویدہ اور آپ ﷺ کے رحمت کے دروازے پر کھڑا ہوں، ان کاموں سے حیرت زدہ ہوں جن کو آپ ﷺ نے انجام دیا، آپ کی دعوت اور دین پر فخر کرتا ہوں اور آپ کی حمایت کی خاطر ہمہ وقت جنگ کرنے کے لیے تیار ہوں۔

اس طرح ہمارے دانشور مفکر نے فکر، ادب، شعر و نثر کو ہم آہنگ کیا جو ان کی فکر اور علم کے اظہار میں معاون ثابت ہوئے، انھوں نے ان تمام چیزوں کا احاطہ کیا اور اسے سنت پر مبنی تصوف کی محبت کا غلاف پہنا دیا جس کے سبب وہ روایت سے مڑے اور نہ ہی عمل میں انحراف کیا بلکہ یہ تصوف

ان کے لیے ناانصافی کے خلاف لڑنے اور متبادل کا مقابلہ کرنے کا محرک تھا۔

قدیم وجدید میں ہم آہنگی

ڈاکٹر عمارہ نے جن پہلوؤں کومربوط کیا ہے ان میں سے ایک پہلو یا ایک میدان قدیم وجدید مین ہم آہنگی کا میدان ہے، اس میں ہم آہنگی صرف دانشوران اور باشعور افراد ہی کر سکتے ہیں جو اس ہم آہنگی سے باخبر اور عوام الناس تک پہنچانے کے لیے کوشاں ہوں، کیونکہ قدیم جدید کے بغیر ناقص ہیں اور جدید کا قدیم کے بغیر کوئی وجود نہیں، وہ اپنی بہت سی کتابوں اور مقالات میں اسلامی شناخت، ثقافتی آزادی اور ثقافتی خصوصیت کے بارے میں تذکرہ کرتے رہے ہیں خصوصا عالمگیریت کی روشنی میں جو اسلامی دنیا کو مغربی سانچے میں ڈھالنا چاہتی ہے اس موضوع پر ان کی'' **الابداع الفکری والخصوصية الحضارية، مخاطر العولمةعلى الحوية الثقافية، مقالات الغلو الدينی واللادينی، الاصلاح الدينی فی القرن العشرين، مستقبلنا بين التجديد الاسلامی والحداثةالغربية**'' اہم تصنیفات ہیں۔

ڈاکٹر عمارہ نے اعتدال کہ دامن کو اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔انھوں نے اپنے فکری منصوبہ میں دین میں سلفیت [جو ان کے عقائد، عبادات اور اقدار کو ان کے اولین، ضروری اور خالص مآخذ کی طرف لوٹاتی ہے] اور تقلید جامد کی سلفیت [جو ماضی کے خواب دکھاتی ہے عقل اور روشن خیالی نیز ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے] کے مابین فرق کیا اور وہ دوٹوک انداز میں یہ بات کہتے ہیں کہ حقیقی سلفیت اور حقیقی تجدید کے درمیان کوئی تعارض اور نزاع نہیں ہے تجدید کے بارے میں آپ کی کتابیں اور مقالات درج ذیل ہیں ۔''**التقدم والاصلاح بالتنوير الغربی أم بالتجديد الاسلامی**''''**مستقبلنا بين التجديد الاسلامی والحداثة الغربية**''[رسائل الاصلاح ۱۰]''**الشيخ شلتوت امام فی الاجتهاد والتجديد**''[رسائل الاصلاح ۱۵]''**الخطاب الدينی بين التجديدالاسلامی والتبديدالامريكانی**''۔

سلفیت اور تجدید کی ہم آہنگی مفکر کو حقیقت پسندی، قوت، ثابت قدمی اور مختلف قسم کی صلاحیت بخشتی ہے نیز اسے درک سے نوازتی ہے جو اسلام کو قائم کرنے کے لیے اثر انداز ہونے اور

آگے بڑھنے کے قابل بناتی ہے اور فکر کی تبیین وتشریح کی تبلیغ کی دعوت میں معاون ثابت ہوتی ہے اور حجت کو قائم کر کے شکوک وشبہات کو رفع دفع کرنے میں اہم رول ادا کرتی ہے، ڈاکٹر عمارہ کے پاس یہ بہت بڑا سرمایہ تھا گرچہ ان کو اپنے دور میں زیادہ شہرت حاصل نہیں تھی۔

وطنیت، عربیت، اسلامیت اور انسانیت کے درمیان ہم آہنگی

ڈاکٹر عمارہ نے ان حلقوں کے ذریعہ اپنے فکری منصوبہ کو یکجا کیا گرچہ انھوں نے اپنے کیریئر اور اپنے منصوبہ کے آغاز میں وطنیت، قومیت اور عربیت کو اپنایا لیکن ان کے نزدیک اسلام میں یہ تمام چیزیں اضافی حیثیت کی حامل ہیں، اسلام نے اس کے بارے میں ان کی رہنمائی کی کہ ان تمام کو انسانیت میں تحلیل کردے۔

ڈاکٹر عمارہ نے اپنے بڑے فکری منصوبہ کے طور پر وطنیت، قومیت، اسلامیت اور انسانیت کے ان حلقوں کے بارے میں کتابیں تصنیف کی ہیں کبھی وہ قوم پرستی اور حب الوطنی کے بارے میں لکھتے ہیں، تو کبھی اسلام میں انسانی جہتوں کی وضاحت کرتے ہیں۔ یہ ان کی کتابوں کے عنوانات میں واضح طور پر نظر آتا ہے اس موضوع پر ان کی ''**الجامعة الاسلامية والفكرة القومية**'' **الاقليات الدينيةو القوميةتنوع وو حدةام تفتيت واختراق**؟ وغیرہ مایہ ناز تصانیف ہیں۔

ان تمام حلقوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کا اہل صرف اسلام ہی ہے اور ایک اسلامی مفکر ہی اس کے جلال وجمال کو بیان کرسکتا ہے، نیز اس کی حقیقی نوعیت اور غیر متضاد ومتصادم فطرت کے ساتھ اسلام کی عکاسی کرسکتا ہے، جب کہ قوم پرست اور وطن پرست مفکرین اس کو مسترد کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر عمارہ نے اپنے فکری منصوبہ میں ان تمام حلقوں کو پیش کیا ہے جو مرتب، مربوط اور مختلف اجزاء سے کمال پذیر ہیں جس میں نہ تعارض ہے اور نہ ہی تصادم کا کوئی شائبہ باقی ہے، جس نے ان کے فکری منصوبہ پر نمایاں نقوش ثبت کیے ہیں اور ہر پہلو سے مربوط اور ہم آہنگ ہیں۔ (مطبوعہ: **المجتمع**، فروری ۲۰۲۱)

●●

مسلمانوں کی شرح خواندگی بڑھانے میں مدارس کا اہم رول کیوں اور کیسے؟

ڈاکٹر سمیہ ریاض فلاحی
(آراضی باغ، اعظم گڑھ)

برصغیر میں متنوع تہذیب وتمدن کا حامل ملک ہندوستان ابتدا سے ہی علم وہنر کا گہوارہ رہا ہے جو پورے عالم میں ایک تکثیری سماج کی حیثیت سے اپنی شناخت کو برقرار رکھنے میں پوری طرح سے مصروف ہے۔ اس عظیم شناخت کی بقا کے لئے ملک کے ہر فرد نے بلا تفریق رنگ ونسل اور مذہب و ملت یکساں طور پر پیہم جدوجہد کی مگر علماء ہند کی کاوشیں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

آزادی کی سلگتی چنگاری جب دم توڑ گئی تو اکابرین ہند نے ملک میں مدارس کے قیام کو ناگزیر سمجھتے ہوئے ملک میں متعدد مدارس اسلامیہ کی تاسیس رکھی جس کا مقصد ناخواندگی کی شرح ختم کر کے قوم کے اندر حریت کے جذبات کو ابھارنا تھا۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مدارس اسلامیہ نے محض جہالت وناخواندگی کے قلع قمع، اور دینی علوم وفنون کی تعلیم واشاعت کا فریضہ ہی انجام نہیں دیا ہے؛ بلکہ ملک وملت کے وسیع تر مفاد میں بھی ان مدارس کا کردار ناقابل فراموش ہے۔

شرح خواندگی کے ضمن میں بین الاقوامی سطح پر کئے گئے اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعلیمی شرح صرف چالیس فیصد ہے جب کہ 2005 کی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں 78 فیصد عیسائی تعلیم یافتہ تھے۔ 17 مسلم ممالک میں آدھی سے زیادہ بالغ آبادی پڑھنا لکھنا نہیں جانتی جن کی اکثریت مسلم خواتین کی ہے۔(۱)

حالیہ ٹائمز آف انڈیا کی 2018 میں پیش کردہ 75 ویں رپورٹ کے مطابق مسلم شرح

خواندگی کا تناسب دیگر اقلیتوں کے مقابلے میں خطرناک حد تک کم ہے۔ یہ سروے یہ واضح کرتا ہے کہ سیکنڈری سطح پر مسلمانوں کا شرح تناسب ٪9۔71 جب کہ ST کا% 8۔79 اور SC کا% 8۔85 ہے۔ اسی طرح ہائر سیکنڈری سطح پر مسلم کا شرح تناسب%5۔ST 14 کا٪4۔14 اور SCS کا٪8۔17 ہے۔ اور تین سے 35 سال کے درمیان مسلم طبقہ میں سب سے زیادہ شرح ان بچوں کی ملتی ہے جو کبھی کسی اسکول یا ادارے میں باقاعدہ طور پر رجسٹرڈ نہیں ہوئے۔2010۔2011 اور 2018۔ 2019 کے مابین کئے گئے آل انڈیا سروے ان ہائر ایجوکیشن رپورٹس کے مطابق (AISHE) اعلی ایجوکیشن میں مسلم طبقہ کی شرح خواندگی محض 2۔%5 نظر آتی ہے جب کہ دیگر اقوام کی شرح خواندگی 3۔%36 پائی جاتی ہے۔(۲)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان بچوں میں تعلیم کا سلسلہ منقطع کرنے کا تناسب دیگر اقوام کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ بعض طلبہ ساتویں سے آٹھویں تک ہی تعلیم جاری رکھتے ہیں اور انٹر کے بعد تو گویا تعلیم چھوڑنا جزو لاینفک ہو گیا ہے۔ اور گریجویشن کا تناسب نہایت ہی کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ امت جسے پڑھنے پڑھانے کی سب سے زیادہ ترغیب دی گئی وہ تعلیم کے میدان میں غفلت کے اعتبار سے ضرب المثل بنی ہوئی ہے۔ اور قوم کے وہ بچے جن کے گھروں میں اسکول جانے کا کوئی تصور نہیں تھا وہ بھی تعلیم کے میدان میں نمایاں مقام حاصل کرنے کی تگ ودو میں مصروف ہیں۔

مسلمانوں کی اس پسماندگی کی بنیادی وجہ تعلیمی اداروں کی کمی ہے۔OIC کے ممبر 57 مسلم ممالک میں یونیورسٹیوں کی تعداد 600 سے کم ہے جب کہ ہندوستان میں 8407 اور امریکہ میں 5758 یونیورسٹیاں ہیں۔

اب رہا ہندوستان میں مسلمانوں کی شرح خواندگی کا گھٹتا تناسب تو اس کا بنیادی سبب بھی تعلیمی اداروں کی کمی ہے کیونکہ ہندوستان ہر روز ایک نئی سمت کی جانب گامزن ملک میں بے شمار کالج و یونیورسٹیوں کے قیام کے لئے کوشاں ہے مگر مسلمانوں کی نمائندگی اس میں صفر ہے۔

ایسے ماحول میں مدارس اسلامیہ کا کردار انتہائی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ ملک میں بڑھتی ہوئی مہنگائی اور معاشی بدحالی نے پسماندہ طبقوں کو اس مقام پر لا کر کھڑا کر دیا ہے کہ تعلیم و تعلم کے سربستہ رازوں سے بہرہ ور ہونے کے بجائے شکم پروری کے راستے اختیار کرنے پر مجبور ہیں خواہ اس

کے لئے عمر کی پختگی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کسی بھی کمزور ڈوری کو پکڑنا پڑے کیونکہ بقول شاعر:

بھوک تہذیب کے آداب بھلا دیتی ہے

یہی وجہ ہے کہ دنیا کے پیچ وخم سے بے خبر کھیلنے کودنے کے دنوں میں کھلتی ہوئی معصوم کلیاں پھول بننے سے پہلے ہی مرجھانے کی حالت میں ہوتی ہیں جب گھر کی خستہ حالی انہیں گیرج میں گاڑیاں صاف کرنے، ہوٹل کی میز صاف کرنے یا گلی کوچے کی صفائی نیز جھوٹے برتن دھونے پر مجبور کرتی ہیں۔

عمر کا وہ حصہ جو رب کونین کی معرفت کے حصول کا اہم حصہ ہوتا ہے تب وہ نوخیز محض روتی بلکتی ماؤں اور بہنوں کا سہارا بننے کی غرض سے تعلیمی اداروں کا رخ کرنے کے بجائے سڑکوں اور گلیوں میں دس بیس روپیہ کی اشیاء کی فروخت پر مجبور ہوتے ہیں۔ایسے نامساعد حالات میں ملک میں شرح خواندگی کے تناسب کو بڑھانے میں مدارس اسلامیہ کا کردار ناقابل فراموش ہے کیونکہ یہی وہ واحد ذریعہ تعلیم ہیں جو بلاتفریق رنگ ونسل اور امیر وغریب ہر ایک کو یکساں تعلیم فراہم کرنے پر کار بند ہیں بلکہ ان میں سے بیشتر کو مفت تعلیم فراہم کرنے کا سہرا بھی انہی مدارس کو جاتا ہے جو آج حکومت ہند کی آنکھوں کا کانٹا بنے ہوئے ہیں۔

ملک میں موجود سرکاری اداروں کی ابتر حالت اور نجی اداروں کی مہنگی فیس سے تنگ آ کر سماج کے پسماندہ لوگ انہی مدارس کا رخ کرنے پر مجبور ہیں جو انہیں معرفت الٰہی سے ہمکنار کرنے کے ساتھ ساتھ زمانے کے پیچ وخم اور اسرار ورموز سے واقف کرانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔اور شرح خواندگی کو بڑھانے میں اس لئے بھی ان کا اہم کردار ہے کیونکہ یہ مدارس محض مفت تعلیم ہی نہیں فراہم کرتے بلکہ معاشرے کے صاحب ثروت افراد کے باہم تعاون سے وہ ان بچوں کی مفت رہائش اور لباس کا بھی بندوبست کرتے ہیں جس کی وجہ سے کمزور مسلمانوں کی اکثریت ان اداروں کا رخ کرتی ہے جہاں ان کے معصوم نونہال علم کے قیمتی زیور سے آراستہ ہوسکیں۔

شرح خواندگی کو بڑھانے میں ان مدارس کا کردار یوں بھی اہم ہے کہ یہ مخلوط نظام تعلیم کا سد باب کرتے ہوئے لڑکیوں کی تعلیم کا علیحدہ انتظام کرتے ہیں جس سے ملک میں خواتین کی شرح خواندگی بڑھتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے اس لئے کہ موجودہ دور میں مخلوط تعلیمی نظام کی بنا پر بیشتر افراد اپنی

لڑکیوں کی تعلیم کا سلسلہ یکسر منقطع کر دیتے ہیں جو ملک کے لئے انتہائی تشویشناک ہے مگر یہ مدارس گریجویشن تک کی تعلیم کا خاص انتظام کرکے خواتین کے شرح تناسب کو بڑھانے میں معاون ہیں اگر چہ بیشتر مدارس اپنے ہاں دی جانے والی شرح خواندگی کی رپورٹ حکومت تک پہنچانے سے قاصر ہیں۔

شرح خواندگی کے ضمن میں مدارس کا یہ مثبت پہلو سامنے ہونے کے باوجود موجودہ دور میں مدارس میں داخلہ سے عوام الناس گریزاں ہیں کیونکہ بعض مدارس دیگر حالات حاضرہ سے باخبر رہتے ہوئے حکومت تک رسائی کی صورت تو نکالتے رہتے ہیں مگر جدید تکنیکی معلومات اور وسائل کی عدم فراہمی کی بنا پر وہ طلبہ میں وہ جوہر پیدا کرنے میں ناکام ہیں جس کی بدولت وہ تعلیم کی تکمیل کے بعد اچھی ملازمت پر فائز ہوسکیں۔

اسی طرح مادہ پرستی سے مرعوب نسل نو قرآن وحدیث کے ہر احکام کو سائنس کی روشنی میں پرکھنا چاہتی ہے اور جدید علوم سے ناواقفیت کی بنا پر مدارس سے فارغ التحصیل طلبہ ان کے اعتراضات اور سوالات کے جوابات سائنٹفک انداز میں دینے سے قاصر ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ان کی امیدوں پر پورا اترتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ لہذا ایسی صورتحال میں اہلیان مدارس کو اس بات پر غور کرنا ہوگا کہ اسلام ہمیں زمانے کی رفتار کے ساتھ چلنے کا حکم دیتا ہے اور حرفت وٹیکنالوجی کی معرفت و آگاہی وقت کی اہم ضرورت بن چکی ہے۔ اور مذہب اسلام ترقی کی راہ میں کبھی رکاوٹ نہیں رہا ہے بلکہ گزشتہ صدیوں میں مفکرین اسلام نے سائنس وٹیکنالوجی کے میدان جو خدمات انجام دی ہیں دنیا کی دیگر قومیں اس کی ادنٰی سی بھی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر عبید الرحمن ندوی اپنے مضمون میں مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں: ''یورپی احیاء کا کوئی واحد گوشہ نہیں ہے جو اسلامی فکر کا مقروض نہ ہو۔ اسلام نے یورپ کو ایک نئی زندگی دی ہے۔'' (۳)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وقت پیمائی کے لئے ابن یونس کا پنڈولم کی ایجاد اور ابن سینا کا ہوائی تپش، کاغذ، قطب نما، بندوق اور بارود کا استعمال دور جدید کے مسلمانوں کے لئے مشعل راہ ہیں اور بالخصوص مدارس کے لئے جو معرفت الٰہی کی روشنی سے معاشرے کو منور کرتے ہیں اور اس ضمن میں انہیں برادران وطن یا اقوام عالم کے سامنے اسلام کے احکامات کو سمجھانے کے لئے سائنس وٹیکنالوجی کی معرفت ناگزیر ہوچکی ہے۔

اہل مدارس۔کا یہ نظریہ کہ مدارس کا قیام محض علم دین کے حصول کے لئے کیا گیا ہے یہ بعید از عقل ہے کیونکہ تاریخی شواہد اس بات پر مبنی ہیں کہ سائنس وٹیکنالوجی کے ہر میدان میں مسلمان اکابرین کی خدمات قابل ذکر ہیں اور اس سلسلے میں ابن سینا کی کتاب "القانون" ابن ہیثم کی" کتاب المناظر" اور الزہراوی کی" کتاب التصریف" بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان کی افادیت کے پیش نظر متعدد زبانوں میں ان کے ترجمے بھی کئے جا چکے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے، (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۴۶۶۲) طاقت کا یہ لفظ اپنے اندر مختلف معنی سموئے ہوئے ہے جس میں جسمانی قوت کے ساتھ ساتھ اخلاق وکردار، مال ودولت، سیاسی مہارت، علم و ہنر اور سائنس وٹیکنالوجی نیز زبان وقلم کی طاقت سب شامل ہیں مگر علم کی طاقت سب سے بڑی طاقت ہے، ایک صاحب علم شخص ایک ہزار نا تعلیم یافتہ افراد پر بھاری ہوتا ہے۔اس ضمن میں برطانیہ اور جاپان کی مثال ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں کہ عدد کثرت کے باجود ہندوستان برسوں تک برطانیہ کی غلامی کی دلدل میں پڑا رہا جب کہ محض علم کی بدولت برطانیہ قلت تعداد کے باوجود حکمرانی کرتا رہا اسی طرح جاپان بھی اپنی مثال آپ ہے کہ ایک چھوٹے اور چند جزیروں پر مشتمل ملک نے محض ٹکنالوجی کی بدولت پوری دنیا کو اپنے سامنے سَر جھکانے پر مجبور کر دیا ہے،۔اگر اِس پس منظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کو سمجھا جائے تو مومن کے قوی ہونے کا مفہوم بہت وسعت رکھتا ہے مومن علم کی طاقت سے آراستہ ہو، اور تعلیم یافتہ ہو، وہ ایسے مسلمان سے بہتر ہے جس نے جہالت پر قناعت کر رکھا ہو اور جو علم کی روشنی سے محروم ہو۔غالباً اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے مومن کو پسند فرماتے ہیں جو حرفت سے واقف ہو اور ٹکنالوجی سے آگاہ ہو: ان اللہ یحب المومن المحترف (المعجم الاوسط، حدیث نمبر: ۴۳۹۸)۔علم کے زیور سے مزین اور ٹیکنالوجی سے لیس قوم ہر میدان میں اپنا لوہا بآسانی منوا سکتی ہے خواہ وہ معاشی نظام ہو یا معاشرتی ایوان، میدان سیاست ہو یا میدان جنگ۔جب کہ علم سے تہی دست افراد معاشی بدحالی اور پسماندگی نیز ذلت ورسوائی کا شکار ہوتے ہیں۔

انبیاء کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جادو کا زور ہونے کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو ایک عصا کے ذریعے ایک مقناطیسی قوت کا عطا کیا جانا،

عیسی علیہ السلام کے عہد میں طب کا زور ہونے کی بنا پر عیسی علیہ کو طب میں انوکھی مہارت سے نوازا جانا، داؤد علیہ السلام کا زرہ بنانے کے ہنر سے واقفیت، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس وقت کی زبان سریانی سیکھنے کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نیز عربوں میں فصاحت و بلاغت کے میدان میں درپیش اس وقت کے چیلنج کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کا عطا کیا جانا اس بات کی بین دلیل ہے کہ وقت کے ساتھ قدم ملانے کے لئے علم ومعرفت اور ٹیکنالوجی سے آراستہ و پیراستہ امت بنناہی ہماراطرہ امتیاز ہے۔

لہٰذا اس پس منظر میں دیکھا جائے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مدارس اسلامیہ اگر اپنے نصاب میں اسلامی تعلیمات کے ساتھ عصری علوم کی شمولیت بھی کرلیں تو وہ تصویر غم بننے کے بجائے اقوام عالم کے سامنے ایک رہنما کی حیثیت سے کھڑے ہو سکتے ہیں کیونکہ عمومی طور پر سائنس وجدید علوم کے طلبہ الحاد وتشکیک کی جانب گامزن ہیں مگر مدارس چونکہ توحید کے روح رواں ہیں لہذا اگر مدارس خود کو عصری تعلیمات سے آراستہ کرلیں تو مسلم طلبہ کا رجحان مدارس کی جانب مزید بڑھے گا جو انہیں توحید کی معرفت کے ساتھ حرفت وصنعت کی معرفت کے حصول میں مددگار ثابت ہوں گے جس سے ملک کی شرح خواندگی میں مزید اضافہ ہوگا۔

حواشی ومراجع

۱۔ مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کی کہانی، اعداد وشمار کی زبانی، غوث سیوانی۔

2. https//:m.dailyhunt.in, October 24, 2020 by Abdullah khan, muslimmirror.com/eng/

۳۔ سائنس کے میدان میں مسلمانوں کی خدمات، ڈاکٹر عبیدالرحمن ندوی، انقلاب، ۲۰ نومبر ۲۰۲۲ء۔

ہیون سانگ دلی میں

مرتب: ڈاکٹر امتیاز وحید فلاحی
ناشر: مغربی بنگال، اردو اکیڈمی
سن اشاعت: ۲۰۲۱ء
صفحات: ۲۰۰
قیمت: ۱۳۰ روپئے
مبصر: **عبداللہ زکریا ندیم**

امتیاز وحید ایک خوش فکر، نوجوان ادیب ہیں۔ ہم تو انھیں نوجوان ہی کہیں گے کہ ابھی ہمیں ان کے اندر وہ آگ نظر آتی ہے جو نوجوانی کا خاصہ ہے۔ وہ فی الحال کولکتہ یونیورسٹی میں صدرِ شعبہِ اردو ہیں اور اس کے باوجود لکھنے پڑھنے کا شغف رکھتے ہیں، ورنہ ہماری یہاں تو ایک روایت یہ بھی ہے کہ یونیورسٹی میں نوکری لگنے کے بعد آدمی لکھنے اور پڑھنے دونوں سے دستبردار ہوجاتا ہے بلکہ حاصل شدہ علم تک طاقِ نسیاں پر رکھ دیتا ہے کہ اب یہ کسی کام کا نہیں رہا۔ اس تمہیدِ دل پذیر وغیر دل پذیر کی نوبت اس سے لئے آئی کہ کچھ عرصہ قبل امتیاز وحید کی تدوین شدہ کتاب ''ہیون سانگ دلی میں'' ہمیں موصول ہوئی۔ افراتفری میں ہم اسے دیکھ نہیں پائے تھے۔ خدا خدا کر کے اب فرصت ہوئی تو دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ دل خوش ہوگیا۔ یہ کتاب ان کی محنتِ شاقہ کی آئینہ دار ہے۔ تدوین بظاہر ایک کارِ آسان لیکن بباطن ایک پتہ مار کام ہے۔ اور یہاں تو معاملہ فکر تونسوی کا تھا، جو 1987 میں اس جہان فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔ بیسویں صدی، جو انکے کالموں تک رسائی کا سب سے معتبر ذریعہ تھا، اسے بند ہوئے زمانہ ہو چکا تھا۔ کئی لائبریریوں کی خاک چھاننی پڑی، کئی اصحاب علم وخیر سے رابطہ کرنا پڑا، بیچ بیچ میں فکر تونسوی کے اہل خانہ کو زحمت ملاقات دی، تب جا کر ان کالموں تک رسائی ہوسکی اور

کتاب موجودہ شکل میں آئی۔آج کی ماضی فراموش نسل فکرتونسوی سے شاید ہی واقف ہولیکن ایک زمانہ تھا کہ ان کے ''طنزیہ کالموں'' کی دھوم مچی ہوئی تھی۔انھوں نے متواتر پچیس سال تک اپنا مشہورِ زمانہ کالم ''پیاز کے چھلکے لکھا''۔یہ کالم روزنامہ ''ملاپ'' اور بعدہٗ ''بیسویں صدی'' میں چھپتے رہے۔ہم نے جان بوجھ کر ''مزاح'' نہیں لکھا ہے کیونکہ ان کے یہاں مزاح (humour) کم اور طنز (satire) زیادہ ہے۔ان کا قلم سفاک ہے اور وہ سماجی پھوڑوں پر نشتر چلانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔زندگی تلخیوں سے عبارت رہی اور حالانکہ انھوں نے غموں کو ہنسی خوشی انگیز کیا لیکن جب وہ قلم اٹھاتے تھے تو یہ تلخی کہیں نہ کہیں صفحۂ قرطاس پر اتر آتی تھی۔دیکھئے وہ اپنی پیدائش کا واقعہ کس طرح بیان کرتے ہیں ''پیدا ہوا تو نہ کوئی ستارہ آسمان سے ٹوٹا اور نہ آکاش سے پھول برسائے گئے۔ٹھگنے سے گٹھیلے باپ نے اپنی چھوٹی سی دکان پر ترازو میں تول کر گاہک کو دیتے ہوئے کہا— ساتواں بچہ (یعنی ہنھ! میں نے کب چاہا تھا پیدا ہو جائے)

''درد کا حد سے بڑھنا ہے دوا ہو جانا'' محض ایک شاعرانہ تخیل نہیں ہے،فکر اس نے کو جیا ہے۔اپنے خاکے میں (یہ خاکہ کتاب میں شامل ہے) وہ لکھتے ہیں:

> ''ایسی حالت میں بقول ماں کے روٹیوں کے سوکھے ہوئے ٹکڑے، پانی میں ابال ابال کر وہ ہم بچوں کی زندگی کو ڈھکیلتی رہی۔آج بھی ان ابلے ٹکڑوں کی بچی کھچی علامتیں میرے کسی نہ کسی فعل سے ٹپک پڑتی ہیں۔آج بھی ابلا ہوا روٹی کا ٹکڑا کھانا پڑے تو اسے آشنا سمجھ کر کمالِ متانت سے کھا لیتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ جب اس سے پیٹ بھر سکتا ہے تو ماتھے پر کیوں بل ڈالا جائے۔اچھی غذا کی سرپرستی سے محرومی نے مجھے یتیم بنا دیا۔بدن کا یتیم۔بدن کی یتیمی نے کئی اور گل کھلائے۔آج بھی کوئی گل ایسا کھل اٹھتا ہے تو اپنی پختہ شعوری میں تلملاہٹ سی ضرور پیدا ہو جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ زیرلب ہنسی بھی پھوٹ پڑتی ہے، جو اس تلملاہٹ پر چھائے چلی جاتی ہے۔مجھے اس شعور اور زیرلب ہنسی نے غم اور آنسوؤں اور کرب کی لعنت سے بچا لیا۔''

دلچسپ بات یہ ہے کہ فکر کالم نگاری کی طرف شاعری کے راستے آئے۔ملک کی تقسیم کے پہلے وہ صرف شاعری کرتے تھے اور انکی نظموں کا مجموعہ ''ہیولے'' کے نام سے 1947 میں شائع بھی ہو چکا تھا۔ممتاز مفتی کے ساتھ مل کر انھوں نے ''سویرا'' نامی میگزین بھی نکالا جس

نے ان کے الفاظ میں ''بڑے بڑے ادبی رسائل کو چونکا دیا''، تقسیم ملک اور فسادات نے فکر کو یکسر بدل ڈالا اور انھوں نے شاعری چھوڑ کر طنزیہ اور مزاحیہ کالم لکھنے شروع کر دئے ''فسادات کے بعد شاعری ترک کردی کیونکہ عام سوجھ بوجھ سے مختلف شاعری تھی اور آزادی کے بعد میرا رابطہ عوام کے مسائل سے زیادہ ہوتا گیا، اس لئے مزاح اور طنز میں نثر تحریر کرنا شروع کردی جو عوام کو سمجھ میں بھی آ گئی اور سند بھی۔''

''ہیون سانگ دہلی میں'' تیرہ کالموں پر مشتمل ہے اور اور یہ اس وقت کے حالات پر ایک زبردست طنز ہے۔ ان کالموں کی سب سے خاص بات یہ ہے کہ یہ آج بھی ریلیوینٹ ہیں بلکہ آج ان کی ''موزونیت'' اور بھی بڑھ گئی ہے۔ ہیونگ سانگ نے دلی کا انتخاب کیوں کیا، اس کا جواب تیرہویں اور آخری کالم میں کچھ یوں دیا گیا ہے ''دہلی ہندوستان کا دل ہے۔ پورا ہندوستان دہلی میں بستا ہے'' گویا جس نے دلی دیکھ لی، اس نے پورا ہندوستان دیکھ لیا۔

ہمارے خیال میں دہلی ایک استعارہ ہے، اقتدار اور اس سے جڑی رسہ کشی کا، سازش کا، اقربا پروری کا، کرپشن کا، بڑھتی ہوئی سماجی نامساوات کا، سماج کے ٹوٹتے ڈھانچے اور مذہبی عصبیت کا۔

یہی بات امتیاز وحید اپنے مقدمے میں کچھ یوں کہتے ہیں:

> ''چینی سیاح ہیون سانگ کی آڑ میں فکر تونسوی کی سماجی طنز و مزاح نگاری انبساط ولطف سے زیادہ غور وفکر کی دعوت دیتی ہے۔ یہ ایک مسلسل سیاسی طنز ہے جس میں کنھیا لال کپور کے بقول نہایت تیکھے انداز میں برسر اقتدار طبقے کی قلعی کھولی گئی ہے۔ ان کا یہ جملہ بہت بامعنی ہے کہ فکر تونسوی کا ''ہر فقرہ ایک نشتر کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر پیراگراف نیش عقرب کی یاد دلاتا ہے۔''

امتیاز وحید کو اس کتاب کی اشاعت کے لیے مبارکباد۔ ان کا قلم یونہی رواں دواں رہے اور خدا انھیں ''پروفیسری'' سے بچائے رکھے۔

جلوہ ہائے پا بہ رکاب

مصنف: ف۔عبدالرحیم

ناشر: وی۔اقبال احمد، اونجی گلی، مسلم پور، وانم باڑی، ترو پاتھر تمل ناڈو

اشاعت: ۲۰۲۳ء

صفحات: ۱۴۰

قیمت: ۱۵۰روپے

مبصر: **محمد انس فلاحی مدنی**

خودنوشت یا آپ بیتی اردو ادب کی معروف صنف ہے۔ یہ مصنف کے شب و روز، خوشی وغم، سفر وحضر اور زندگی کے بہت سے تجربات اور مشاہدات پر مشتمل ہوتی ہے۔ بیسوی صدی میں عربی اور اردو دونوں زبانوں میں اس سلسلے میں خاصی پیش رفت ہوئی ہے۔ عربی میں طٰہ حسین کی 'الایام' احمد امین کی 'حیاتی' احمد لطفی السید کی 'قصۃ حیاتی'، عباس محمود العقاد کی 'أنا' اور شیخ علی طنطاوی کی 'ذکریات' معروف اور مقبول ہوئیں۔ اردو میں جوش ملیح آبادی کی 'یادوں کی بارات' قدرت اللہ شہاب کا 'شہاب نامہ'' مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کی 'آپ بیتی' مشتاق احمد یوسفی کی 'زرگزشت' ڈاکٹر جاوید اقبال کی 'اپنا گریباں چاک' اور مولانا علی میاں ندویؒ کی 'کاروان زندگی' نے اردو دنیا میں خاص مقام حاصل کیا۔

زیر نظر کتاب 'جلوہ ہائے پا بہ رکاب' بھی اسی صنف میں ایک خوب صورت اضافہ ہے۔ یہ مصنف کی زندگی کے دل آویز واقعات، مشاہدات اور تجربات پر مشتمل ہے۔ مصنف کتاب ڈاکٹر ف۔عبدالرحیم عربی زبان وادب کی معروف ومعتبر شخصیت ہیں۔ آپ کا تعلق تاملناڈو کے شہر وانم باڑی

سے ہے۔ مدراس یونیورسٹی سے انگریزی زبان واَدب میں بی۔اے آنر کرنے کے بعد آپ قاہرہ چلے گئے جہاں جامعہ ازہر سے عربی لسانیات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۶۹ء تا ۱۹۹۵ء مدینہ منورہ کی مشہور یونیورسٹی جامعہ اسلامیہ سے منسلک رہے۔ وہاں آپ نے غیر عربوں کو عربی پڑھانے کے لیے جامع نصاب مرتب کیا۔ دروس اللغۃ العربیۃ لغیر الناطقین بھا اس نصاب کی مقبول ترین کتاب ہے۔عربی زبان کی تدریس پر ان کا مرتب کردہ نصاب دنیا بھر مقبول ہے اور متعدد یونیورسٹی میں نصاب کا حصہ ہے۔ اس سلسلے میں آپ کی سب سے بڑی کاوش یہ ہے کہ آپ نے یہ فکر عام کی کہ قرآن کریم اور حدیث شریف کے ذریعے عربی پڑھائی جائے۔ اس نظریے کے تحت آپ نے سات کتابیں لکھیں۔ ڈاکٹر موصوف گزشتہ چوتھائی صدی سے زیادہ عرصے سے شاہ فہد قرآن مجید کمپلیکس مدینہ منورہ میں مرکز الترجمات کے ڈائریکٹر ہیں۔ زندگی ۹ دہائی پوری کر چکے ہیں ۱۸ زبانوں کے عالم ہیں۔ چار زبانوں میں چالیس کے قریب کتابیں زیورطبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں۔

اس کتاب میں کچھ واقعات ہیں، کچھ مضامین میں مصنف نے اپنی آراء کا اظہار کیا ہے، کچھ میں بعض مسائل پر تجویز رکھی ہے، اور کچھ میں بعض شخصیات کا تعارف کرایا ہے۔

کتاب مختصر ساتھ مضامین وواقعات پر مشتمل ہے، اس میں طنز ومزاح بھی ہے، خوشی وغم کے لمحات بھی ہیں، علم وفکر کے جلوے بھی بکھرے ہوئے ہیں اور ماضی کے حسین ایام کا تذکرہ اور قیمتی نصیحتیں بھی ہیں۔ مصنف نے زبان وادب کی فنی باریکیاں اپنے چھوٹے چھوٹے مضامین میں نہایت سلیقے اور عام فہم اور دل چسپ انداز میں رقم کی ہیں۔

کتاب کی سیٹنگ میں کچھ نقص رہ گیا ہے، بعض صفحات پر صرف ایک ہی لائن ہے اپورا صفحہ خالی ہے۔ اس پر توجہ دی جاتی تو کتاب کے صفحات یوں ضائع نہ ہوتے۔ بہر کیف زبان وبیان شگفتہ ،سلیس، عام فہم اور دل چسپ ہے، قاری کتاب ہاتھ میں لے تو ختم کیے بغیر نہ رکے۔ اردو اور عربی زبان وادب سے دل چسپ رکھنے والے کے لیے اس کا مطالعہ نہایت کارآمد ہوگا۔

جامعہ کے لیل ونہار

فلاح تعلیمی کیلنڈر

بابت ۲۴-۲۰۲۳ء، مطابق ۴۵-۱۴۴۴ھ

آغاز تعلیمی سال

۲۴-۲۰۲۳	:	۲۹/اپریل ۲۰۲۳ء (۸/شوال ۱۴۴۴ھ)
داخلہ وتجدید داخلہ	:	۲۹/اپریل تا ۴/مئی ۲۰۲۳ء
ضمنی امتحانات	:	یکم تا ۳/مئی ۲۰۲۳ء
پہلا داخلہ ٹسٹ	:	یکم مئی ۲۰۲۳ء (سوموار)
دوسرا داخلہ ٹسٹ	:	۷/مئی ۲۰۲۳ء (اتوار)
آغازِ تعلیم	:	۶/مئی ۲۰۲۳ء (سنیچر)
تعطیل عیدالاضحیٰ	:	۲۸/جون تا ۲/جولائی ۲۰۲۳ء
امتحان ششماہی	:	۳ تا ۱۷/ستمبر ۲۰۲۳ء
تعطیل ششماہی	:	۱۸ تا ۲۹/ستمبر ۲۰۲۳ء
آغاز ششماہی ثانی	:	۳۰/ستمبر ۲۰۲۳ء (سنیچر)
اعلان نتائج ششماہی	:	۲۲/اکتوبر ۲۰۲۳ء (اتوار)
تعطیل سرما	:	۲۹/دسمبر ۲۰۲۳ء تا ۱۴/جنوری ۲۰۲۴ء
امتحان سالانہ	:	۱۱ تا ۲۵/فروری ۲۰۲۴ء
اعلان نتائج سالانہ	:	۵/مارچ ۲۰۲۴ء (منگل)
تعطیل کلاس	:	۶/مارچ تا ۱۴/اپریل ۲۰۲۴ء
آغاز تعلیمی سال ۲۵-۲۰۲۴	:	۱۵/اپریل ۲۰۲۴ء (۶/شوال ۱۴۴۵ھ)

معلّمین ومعلّمات کے لیے یک روزہ تربیتی پروگرام

۶رفروری ۲۰۲۳ءکومولانا ابواللیث ہال میں معلّمین ومعلّمات کے لیے ایک یک روزہ تربیتی پروگرام منعقد ہوا۔

مولانا اقبال احمد اصلاحی صاحب کی تلاوتِ قرآن سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ صدر مدرس مولانا انیس احمد فلاحی مدنی صاحب نے تذکیر بالقرآن پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے فرشتوں کی شہادت کے ساتھ اہل علم کی شہادت کا تذکرہ کیا اور ایک دوسری آیت میں غزوۂ تبوک کا ذکر آیا، اس میں اللہ نے جس صیغہ سے جہاد کا حکم دیا اسی صیغہ سے تحصیل علم کا ذکر کیا۔

سورۂ توبہ میں انذار اور سورۂ آل عمران میں شہادت کا لفظ آیا ہے جو انبیاء کے لیے استعمال ہوا ہے، وہی لفظ ہمارے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس تدریس کے فریضہ سے ہم وابستہ ہیں اس تدریس میں ہمیں ادراک حاصل ہو اور اخلاصِ نیت کے ساتھ تدریس کا فریضہ انجام دیں اور ہمارے اخلاق بہتر ہوں، کیونکہ طلبہ ہمارے اخلاق دیکھ کر اپناتے ہیں۔

ناظمِ جامعہ مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے افتتاحی کلمات پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اس تربیتی پروگرام کا مقصد یاددہانی ہے۔ اخلاقی لحاظ سے ایک معلّم یا معلمہ طلبہ/ طالبات کے لیے اسوہ اور رول ماڈل ہوتے ہیں۔ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر معلّم کے اندر تین خوبیاں ہوں تو وہ اللہ کی طرف سے اپنے طلبہ کے لیے بہترین نعمت ہے، وہ یہ ہیں:

(۱) صبر (۲) تواضع (۳) حسنِ اخلاق۔

معلّم یا معلمہ میں یہ تینوں خوبیاں اگر پائی جائیں تو طلبہ کے لیے بہترین نعمت ہے۔

پانچ خوبیاں ایسی ہیں جو اگر کسی میں پائی جائیں تو انھیں علمائے آخرت کہا جاتا ہے۔ وہ خوبیاں درج ذیل ہیں:

(۱) خشیتِ الٰہی (۲) خشوع (۳) تواضع (۴) حسنِ اخلاق (۵) زہد وقناعت۔

یہ پانچ خوبیاں قرآن سے ماخوذ ہیں۔ پھر ناظمِ جامعہ نے ان پانچوں خوبیوں پر تفصیل سے گفتگو کی۔

مہمانِ خصوصی جناب سید تنویر احمد صاحب جماعتِ اسلامی ہند کے مرکزی تعلیمی بورڈ کے

ڈائریکٹر ہیں اور جامعۃ الفلاح کی مجلسِ تعلیمی کے رکن ہیں اور مختلف دینی وعصری اداروں سے وابستہ ہیں۔''زندگی نو'' میں تعلیم کے موضوع پر آپ کے مضامین شائع ہوتے ہیں۔

مہمانِ خصوصی نے ''اقدار کو اخلاق میں تبدیل کرنے کا عمل'' کے عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ اقدار اور اخلاق میں فرق ہوتا ہے۔ اقدار اصولوں کو کہتے ہیں، جبکہ اخلاق اقدار سے پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے جھوٹ بولنا غلط ہے، یہ ایک قدر اور اصول ہے، لیکن اس پر عمل کرنا اخلاق ہے۔ اِس وقت تعلیم کا سسٹم نام ہے ٹرانسفر آف نالج کا، یعنی معلومات کو منتقل کرنا۔ طلبہ پڑھ رہے ہیں، لیکن بااخلاق نہیں ہیں، یعنی اقدار پڑھ رہے ہیں، لیکن عمل اور اخلاق سے عاری ہیں۔ کسی نظریہ یا قدر کو جب عقیدہ سے جوڑتے ہیں تو اس میں مضبوطی آتی ہے، جیسے سچ بولنا، پھر اس کو عقیدہ سے جوڑنا کہ اس کے فائدے بہت ہیں تو اسے سچ بولنے کا شوق پیدا ہوگا۔ پھر شوق کی شدت پیدا ہوتی ہے اور پھر شدت کردار میں تبدیل ہوتی ہے۔ اساتذہ طلبہ کے اندر اقدار کا شوق پیدا کریں اور یہ شوق عمر کے لحاظ سے ہو، پھر شوق کی ادائیگی کے لیے مواقع تلاش کریں۔

طلبہ اور اساتذہ کے تعلقات صرف اسکول کے اندر تک محدود رہ گئے ہیں، جبکہ یہ تعلقات اسکول کے باہر بھی رہنے چاہئیں۔ پھر مہمانِ خصوصی نے پانی، بجلی اور صفائی کی دو تین مثالیں پیش کیں۔

مہمانِ خصوصی کا دوسرا لیکچر ''کمزور طلبہ کا معیار کیسے بلند کریں؟'' کے عنوان پر ہوا۔ اس میں آپ نے فرمایا کہ طلبہ کو مختلف گروپ میں تقسیم کر دیا جائے اور ہر گروپ میں ایک ذہین اور دو تین متوسط اور دو تین کمزور طلبہ ہوں اور طلبہ کو اس کا علم نہ ہو ورنہ وہ ذہنی تناؤ کا شکار ہوں گے۔ اس طرح طلبہ اساتذہ اور بڑوں کے بجائے ہم عمر بچوں سے زیادہ سیکھ سکتے ہیں۔

مہمانِ خصوصی کا تیسرا لیکچر ''کلاس روم مینجمنٹ'' کے عنوان پر ہوا۔ سوال وجواب اور گفتگو کے انداز میں سارے لیکچر ہوئے۔

مہتمم تعلیم وتربیت مولانا جاوید سلطان فلاحی صاحب نے کلمۂ تشکر پیش کیا۔ نظامت کے فرائض معاون مہتمم مولانا عبید اللہ طاہر فلاحی صاحب نے انجام دیے۔ اس یک روزہ تربیتی پروگرام میں جامعہ کے تمام ہی شعبہ جات کے جملہ معلّمین ومعلّمات نے شرکت کی۔ پروگرام کافی کامیاب رہا اور بحسن وخوبی اختتام پذیر ہوا۔ ظہرانہ کا بھی نظم کیا گیا۔

رسائل وجرائد کی جلد سازی

الحمدللہ جامعہ کی لائبریری میں رسائل وجرائد کا بڑا ذخیرہ موجود ہے، متعدد اہم رسائل کی مکمل فائلیں موجود ہیں۔ لیکن اب تک ان رسائل کی جلد سازی نہیں ہوسکی تھی۔ سالِ گزشتہ ذمہ دارانِ جامعہ کے ساتھ لائبریری کی تعمیر وترقی کے حوالے سے متعدد نشستیں منعقد ہوئی تھیں جن میں کئی اہم فیصلوں کے ساتھ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ لائبریری میں موجود رسائل وجرائد کی جلد سازی کرادی جائے اور رسائل وجرائد کا ایک مستقل ہال بنا کر طلبہ کے استفادے کے لیے فراہم کردیا جائے۔ چنانچہ مرکزی لائبریری اور مختلف لائبریریوں سے رسائل وجرائد جمع کر کے سال بہ سال کی تین تین فائلیں بنائی گئیں۔ 1151 فائلوں کی جلد سازی مکمل ہوگئی ہے اور استفادہ کرنے والوں کے لیے یہ شعبہ کھول دیا گیا ہے۔ اب تک صرف نئے رسائل وجرائد کو دارالمطالعہ میں رکھ دیا جاتا تھا، پرانے رسائل وجرائد سے استفادہ کی کوئی متعین شکل نہ تھی، الحمدللہ اب ان سے استفادہ ممکن ہوگیا ہے۔ مغرب بعد سے نو بجے رات تک یہ شعبہ کھلا رہتا ہے۔

جامعہ کی تعارفی ڈاکومنٹری

جدید وسائل کے ذریعے جامعہ کے حلقۂ تعارف میں توسیع کے پیش نظر متعدد زبانوں میں جامعہ کی ڈاکومنٹری تیار کرانے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ یہ کام اس میدان کے ایک ماہر اور تجربہ کار شخص برادر ارشاد عالم فلاحی (دہلی) کے سپرد کیا گیا۔ موصوف اپنی کیمرہ ٹیم کے ساتھ ۳؍ستمبر ۲۰۲۲ء کو جامعہ تشریف لائے اور ۶؍ستمبر ۲۰۲۲ء تک جامعہ کے تمام شعبہ جات کی ویڈیو ریکارڈنگ کی گئی، نیز ذمہ دارانِ جامعہ کے ویڈیو اسٹیٹمنٹ بھی ریکارڈ کیے گئے۔ ریکارڈنگ DSLR اور ڈرون دونوں طرح کے کیمروں سے ہوئی۔ دسمبر کے وسط میں اس کا پہلا ورژن اردو زبان میں منظر عام پر آیا جو تقریباً 22 منٹ پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد 6 منٹ پر مشتمل اس کا شارٹ ورژن بھی آیا۔ ریکارڈنگ، ایڈیٹنگ، آواز وتلفظ وغیرہ تمام کام پروفیشنل اور معیاری انداز کے ہیں۔ اس ڈاکومنٹری کے ذریعے خوش اسلوبی کے ساتھ وسیع پیمانے پر جامعہ کا تعارف کرانے کی کوشش کی گئی ہے اور اسے بڑے پیمانے پر پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ اسے جامعہ کے آفیشیل یوٹیوب چینل ''مینارِ فلاح'' پر دیکھا

جاسکتا ہے۔انگریزی اور عربی زبان میں اس کے ترجمے کا کام جاری ہے۔

مسابقۂ مقالہ نویسی ۲۳۔۲۰۲۲ء

طلبہ وطالبات کی ہمہ جہتی تعمیر وترقی کے لیے جامعہ کی جانب سے مختلف مسابقوں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ششماہی ثانی میں مقالہ نویسی کے ایک مسابقے کا انعقاد کیا گیا۔درجہ وار چار گروپ بنائے گئے:

(۱) فضیلت: ''سیرتِ نبویؐ پر مستشرقین کے اہم اعتراضات کا علمی جائزہ'' پہلا انعام: ۳۰۰۰ روپے، دوسرا انعام: ۲۵۰۰ روپے، تیسرا انعام: ۲۰۰۰ روپے

(۲) عربی چہارم تا عربی ششم: ''اُردو کتبِ سیرت: خصائص وامتیازات'' (صرف دس کتابوں کا جائزہ) پہلا انعام: ۲۵۰۰ روپے، دوسرا انعام: ۲۰۰۰ روپے، تیسرا انعام: ۱۵۰۰ روپے

(۳) عربی اول تا عربی سوم: ''اخلاقِ نبویؐ'' پہلا انعام: ۲۵۰۰ روپے، دوسرا انعام: ۲۰۰۰ روپے، تیسرا انعام: ۱۵۰۰ روپے

(۴) ثانوی وحفظ: ''رحمتِ عالم از سید سلیمان ندوی کا مطالعہ'' (اس کتاب کی روشنی میں تحریری امتحان ہوا) پہلا انعام: ۲۰۰۰ روپے، دوسرا انعام: ۱۵۰۰ روپے، تیسرا انعام: ۱۰۰۰ روپے (تعداد شرکاء: ۹۷ طلبہ، ۲۵۰ طالبات) مذکورہ مقابلوں میں طلبہ و طالبات کی مناسب تعداد نے حصہ لیا اور ہر گروپ میں اول، دوم اور سوم پوزیشن پر گراں قدر انعامات کے علاوہ شرکاء کو تشجیعی انعامات سے بھی نوازا گیا اور پوزیشن ہولڈرس کو توصیفی سند بھی دی گئی۔

۵؍فروری ۲۰۲۳ء کو ہر شعبے میں تقسیم انعامات کی تقریب منعقد ہوئی اور انعامات تقسیم کیے گئے۔

ڈاکٹر حبیب ملک فلاحی مدنی کی جامعہ آمد

۱۵؍دسمبر ۲۰۲۲ء کو مولانا ابواللیث ہال میں جناب ڈاکٹر حبیب ملک فلاحی مدنی صاحب کی آمد پر ایک پروگرام منعقد ہوا۔محمد مبشر خان ساجد (متعلّم عربی دوم) کی تلاوتِ قرآن سے پروگرام کا آغاز ہوا۔

ناظم جامعہ مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے مہمانِ خصوصی کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ

جامعہ میں آپ کا داخلہ ۱۹۶۴ء میں ہوااور ۱۹۶۷ء میں فارغ ہوئے۔آپ جامعہ کے پہلے بیچ کے تین فارغین میں سے ایک ہیں۔جامعہ کو ترقی دینے میں آپ کے والد جناب ملک حبیب اللہؒ صاحب کا اہم رول رہا ہے۔جامعہ سے فراغت کے بعد آپ سہ روزہ دعوت سے منسلک ہو گئے۔اس کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ ہو گیا۔آپ سعودی اور نائیجیریا میں رہے اور پھر امریکہ چلے گئے اور وہیں آپ نے ایم اے اور پی ایچ ڈی کی اور یونیورسٹی آف پنسلوانیا، امریکہ میں استاد بھی رہے۔

ڈاکٹر حبیب ملک فلاحی صاحب نے ''ہمارے زمانے کا جامعہ'' کے عنوان پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ جب میں ۱۹۶۴ء میں جامعہ آیا تو یہاں آبادی ایسی نہیں تھی اور بے آب و گیاہ جگہ تھی۔ میرے والد پہلے مجھے مدرسۃ الاصلاح لائے اور وہاں عربی دوم تک میں نے تعلیم حاصل کی۔پھر والد صاحب مجھے جامعۃ الرشاد لے آئے۔دو سال جامعۃ الرشاد میں پڑھنے کے بعد والد صاحب مجھے بلریا گنج لے آئے۔بلریا گنج میں اس وقت ایسا تھا کہ لیٹنے بیٹھنے، کھانے پینے، رہنے سہنے کی سہولیات بالکل میسر نہیں تھیں۔یہاں سے فراغت سے پہلے میں نے اردو مضبوط کی، انگریزی میں محنت شروع کی۔فراغت کے بعد دعوت اخبار کا رکن متعین کیا گیا اور میری تنخواہ ۷۵ روپئے مختص کی گئی تھی، میں بہت خوش تھا اور بڑی اچھی زندگی تھی۔جب جامعہ میں مولانا عبدالحسیب اصلاحیؒ، مولانا جلیل احسن ندویؒ اور صغیر احسن اصلاحیؒ مجھے پڑھاتے تھے تو لگتا تھا کہ میری ذہانت روز بروز بڑھ رہی ہے۔

ذہن کو جتنا زیادہ استعمال کریں گے اتنا ہی وہ بڑھے گا۔ ہمارے اساتذہ یہ کام کرتے تھے، یعنی ہمارے ذہن کو کھولتے تھے۔ذہانت کی تیزی، خود اعتمادی ہمارے اساتذہ نے ہمیں دی۔اسی طرح علم کی حرص ہمارے اساتذہ نے ہمارے اندر پیدا کی۔اسی طرح غریبی بھی علم کے لیے تیسری شرط ہے، کیونکہ جب امیری ہوگی تو انسان ہر چیز کی کوشش نہیں کرے گا۔دولت سے خوشی حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ گھر والوں سے دور رہیں اور ایک استاد آپ کو علم دے یہ پانچویں شرط ہے۔اور چھٹی شرط حصول علم کی ہے طویل وقت یعنی گود سے گور تک مطالعہ جاری رکھیں۔زیادہ اور زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

موصوف نے بتایا کہ مولانا مودودی علیہ الرحمہ جامعہ سے بہت محبت کرتے تھے۔مولانا سے ۱۹۷۰ء میں میری ملاقات سعودی عرب میں ہوئی، مولانا کے مترجم مولانا خلیل احمد حامدی صاحب ساتھ تھے، لیکن مولانا کی تقریر ہوئی تو اس کے ترجمے کے لیے میرا انتخاب ہوا۔مولانا مودودیؒ کی بیس

منٹ تقریر ہوئی اور میں نے ترجمہ کیا۔ مولانا مودودیؒ نے بعد میں مجھ سے کہا کہ آج سے تم میرے مترجم ہوجاؤ، لیکن میرے والد نے مجھے اس کی اجازت نہیں دی، کیونکہ میں پاکستان جانے کی صورت میں اپنے گھر والوں سے دور ہوجاتا۔ مولانا مودودیؒ مجھے اور جامعہ دونوں کو بہت یاد کرتے تھے۔ پھر میں نے پنسلوانیا یونیورسٹی سے ہسٹری آف اسلامک تھاٹس کے عنوان پر پی ایچ ڈی کی، یہ بہت ہی مشکل مرحلہ تھا۔ جس دن مجھے ڈگری ملی اس دن مجھے جامعۃ الفلاح بہت یاد آیا، کیوں کہ میں جو کچھ بھی تھا جامعہ کی وجہ سے تھا۔ آپ لوگ جس درس گاہ میں علم حاصل کر رہے ہیں یہ بہت ہی عظیم درس گاہ ہے۔ میرے زمانے میں سہولیات نہیں تھیں، اب آپ کو سہولیات ملی ہیں، ان سے فائدہ اٹھایئے، مسلسل علم حاصل کرنے کی کوشش کریں، تواضع اختیار کریں، اپنے آپ کو طالب علم سمجھیں اور اللہ سے دعا کرتے رہیں۔

مولانا انیس احمد فلاحی مدنی صاحب نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ اس نشست میں شعبۂ اعلیٰ کے اساتذہ وطلبہ شریک ہوئے۔

☆اس کے بعد موصوف کلیۃ البنات تشریف لے گئے اور وہاں مذکورہ بالا عنوان پر شعبۂ اعلیٰ کی معلّمات وطالبات کو خطاب کیا۔

جماعت اسلامی ہند کے پچہتّر سال کے عنوان پر خطاب

۲۶/دسمبر ۲۰۲۲ء کو جامعہ کی مسجد میں بعد نمازِ عصر ایک پروگرام جماعتِ اسلامی ہند کی جانب سے منعقد ہوا، جس میں مولانا محمد طاہر مدنی صاحب (ناظم جامعہ) نے ''جماعتِ اسلامی ہند کے پچہتّر سال'' کے عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے جماعتِ اسلامی کی مختصر اور جامع تاریخ بیان کی اور جماعتِ اسلامی ہند کی تشکیل نو کا ذکر کیا۔ پھر آپ نے جماعت کے مقاصد پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ جماعت کا مقصد اقامتِ دین ہے۔ جماعت کی ترجیحات میں دعوتِ اسلامی اور دعوتی لٹریچر علاقائی زبانوں میں تیار کرنا ہے۔ جماعت نے دعوتی شعور بیدار کیا، برادرانِ وطن تک اسلام کا تعارف سب سے پہلے جماعت نے پیش کیا۔ کبھی فسادات رونما ہوئے، آسمانی آفتیں آئیں تو اس وقت جماعت نے خدمتِ خلق انسانی بنیاد پر بلاتفریقِ مذہب وملت کیا۔ جماعت نے تعلیم پر بہت کام کیا، نصاب

تیار کرایا، مدارس اور کالجز قائم کیے۔ شدید حالات میں انتہا پسندانہ فکر کو اعتدال پسند فکر میں تبدیل کیا۔ مسلکی تعصب سے اُٹھ کر کام کیا۔ قرآن فہمی پیدا کی۔ مسلم مجلسِ مشاورت جیسے مشترک پلیٹ فارم قائم کیے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام میں اہم رول ادا کیا۔ جماعت نے شورائیت کا نظام قائم کیا۔ اصول اور اقدار کی بنیاد پر سیاست میں کام کیا اور سیاست مفاد پر قائم نہ ہو اس کی کوشش کی۔ مختلف ادارے قائم کیے تاکہ بے گناہ افراد کو جیلوں سے رہا کرایا جائے۔ جماعت کے چند نمایاں امتیازات ہیں: جماعت کی مضبوط فکر، نظم وڈسپلن، وسعتِ نظر کے ساتھ کام کرنا، منصوبہ بند طریقہ سے کام کرنا، احتساب کا سسٹم۔ جماعت اعتدال پسند طریقے سے کام کرتی ہے۔ مجموعی طور پر خطاب پرمغز اور عمدہ تھا۔

ممبرا میں جامعہ کا تعارفی پروگرام

۱۰ر دسمبر ۲۰۲۲ء بروز سنیچر بعد نمازِ مغرب ممبرا ومضافات کے علماء ودانشوران اور بہی خواہانِ جامعۃ الفلاح (بلڈرس، تجار وغیرہ) کو جامعۃ الفلاح کے امتیازات، کوششوں، حصولیابیوں اور موجودہ سرگرمیوں سے آگاہ کرنے کے لیے ''اسکائی لائن انٹر پرائز ز، ڈی زیڈ سٹی، متل گراونڈ، ممبرا، تھانہ'' میں ایک عشائیہ کا اہتمام کیا گیا۔ اس موقع سے ناظم جامعہ مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے حالاتِ حاضرہ پر گفتگو فرمائی۔ جامعۃ الفلاح پر ایک ۲۰ منٹ کی ڈاکومنٹری دکھائی گئی۔ WALK AND TALK کی شکل میں بھی جامعہ کا مکمل تعارف کرایا گیا۔ شرکاء کو جامعہ کا تعارف نامہ، ادارۂ علمیہ کی مطبوعات، نصابِ تعلیم، مختلف پروجیکٹس کی کاپیاں، انجمن ہاسٹل کا بروشر اور فارغینِ فلاح کی حصولیابیوں پر مشتمل مطبوعہ ہینڈ بل نیز ۲۰۲۳ء کی شب وروز ڈائری وغیرہ تحفۃً پیش کیے گئے۔ الحمد للہ بیشتر مدعوین تشریف لائے اور حوصلہ بڑھایا۔ اس پروگرام میں ممبئی و بھیونڈی سے بھی خصوصی مدعوین نے شرکت فرمائی اور اپنے علاقے میں بھی ایسے پروگرام منعقد کرنے کی دعوت دی۔ حوصلہ پا کر بھیونڈی میں اگلا پروگرام ہوا۔ رابطۂ عامہ جامعۃ الفلاح کے ذمہ دار مولانا اظہار احمد فلاحی صاحب نے خصوصی طور پر ممبرا کے اس پروگرام میں شرکت فرمائی۔ اس پروگرام کی نظامت ڈی زیڈ سٹی کے مالک جناب نور محمد سر نے فرمائی۔ اس پروگرام کو کامیاب بنانے میں جناب افسر عثمانی صاحب، جناب نور محمد سر صاحب، جناب الطاف صاحب اور جناب عادل اعظمی صاحب نے کلیدی رول ادا کیا۔ فلاحی برادران بھی تن من دھن سے لگے رہے، گروپوں کی شکل میں ملاقاتوں کا سلسلہ مستقل جاری ہے اور الحمد للہ اس کے مثبت نتائج بھی

سامنے آرہے ہیں، فللّٰہ الحمد۔

مقامی چینل اور ذرائعِ ابلاغ نے بھی اسے کوَر کیا جس کے اچھے اثرات ہیں۔

جلسۂ تکریمِ فارغینِ شعبۂ حفظ

اس سال شعبۂ حفظ سے ۲۱؍طلبہ فارغ ہوئے۔ یکم فروری ۲۰۲۳ء کو جامعہ نے اپنے ان نونہالوں کی تکریم میں مولانا ابواللیث ہال میں ایک محفل سجائی۔

محمد عمر معظم (متعلّم شعبۂ حفظ) کی تلاوتِ قرآن سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ محمد زید (متعلّم شعبۂ حفظ) نے ایک نعت پیش کی۔ قاری محمد مصطفی فلاحی صاحب (استاذ شعبۂ حفظ) نے شعبۂ حفظ کا تعارف پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ جامعہ میں اس شعبہ کو قائم ہوئے تقریباً پچاس سال ہو چکے ہیں۔ اِس وقت ڈیڑھ سو سے زائد طلبہ زیرِ تعلیم ہیں، آٹھ اساتذہ و نگراں ہیں، اس کی الگ عمارت بھی مکمل تعمیر ہو چکی ہے اور الحمدللہ یہ شعبہ ترقی کی راہ پر تیزی کے ساتھ گامزن ہے۔

اس کے بعد محمد صارم اور صفات اللہ (شعبۂ حفظ) نے ترانۂ جامعہ پیش کیا۔

مولانا ذکی الرحمن غازی فلاحی مدنی صاحب (استاذ شعبۂ اعلیٰ) نے اپنے خصوصی خطاب میں فرمایا کہ اللہ کے ہم پر بے شمار احسانات ہیں۔ ان احسانات کا تقاضا ہے کہ ہم اللہ کی ہدایت کے مطابق زندگی گزاریں، کیونکہ یہ سب سے بڑی نعمت ہے۔ یہ ہدایت ہمیں قرآن کے ذریعے ملی ہے۔ اللہ کے رسولؐ امت کی سفارش کریں گے یہ بات احادیث سے ثابت ہے، لیکن قرآن میں یہ بات بھی ہے کہ اللہ کے رسولؐ اللہ تعالیٰ سے شکایت کریں گے کہ میری قوم نے قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا ترکِ قرآن یہ بھی ہے کہ قرآن کی تلاوت نہ کی جائے، اس کو سمجھا نہ جائے، قرآن سے ہمارا دشمنی والا رویہ یہ ہے کہ ہمارے پاس قرآن پڑھنے کا وقت نہیں ہے، یہ بہت بدبختی کی بات ہے۔ اس لیے قرآن کے تمام حقوق کی ادائیگی کی کوشش کرنی چاہیے۔

اسامہ امیر فیصل (متعلّم عربی ہفتم) نے ایک نظم پیش کی جس میں تمام فارغ ہونے والے حفاظِ کرام کے نام شامل تھے۔

ناظمِ جامعہ مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ قرآن کا ایک بڑا

معجزہ یہ ہے کہ عربی نہ جانتے ہوئے بھی اس قرآن کو یاد کرلیا جاتا ہے اور اس کی حلاوت محسوس کی جاتی ہے۔ ہمارے طلبہ کو حفظِ قرآن کا ایک مرحلہ طے کرنے کے بعد اسے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ امت کی بلندی وکامیابی اسی قرآن پر عمل کرنے میں مضمر ہے۔ قرآن کی تلاوت کرنا، اس کو سمجھنا، اس پر عمل کرنا اور اس کی دعوت کو عام لوگوں تک پہنچانا یہ سب ضروری کام ہیں۔ قرآن سے ایسی محبت پیدا کریں کہ قرآن کے بغیر سکون نہ ملے۔ قرآن کے مطابق اپنی زندگی ڈھالنی ضروری ہے۔ جو شخص قرآن نہیں پڑھتا ہے اس کے پاس روشنی نہیں ہے، علم نہیں ہے، نور نہیں ہے، زندگی نہیں ہے۔ قرآن سب سے بڑا خزانہ ہے۔ اسی لیے اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: ''خیرکم من تعلّم القرآن وعلّمہ'' ہماری زندگی کا مشن یہی ہونا چاہیے کہ ہم امت کے اندر قرآن کی عظمت واہمیت پیدا کریں اور قرآنی نظام کو قائم کریں اور قرآن سے اپنا رشتہ مضبوط کریں۔

صدارتی خطاب کے بعد دستار بندی کا سلسلہ شروع ہوا۔ اساتذۂ کرام وذمہ دارانِ جامعہ کے بدست شعبۂ حفظ کے فارغین حفاظِ کرام کی دستار کے ذریعے تکریم کی گئی۔

آخر میں کلمۂ تشکر ہیڈ شعبۂ حفظ قاری محمد شاکر قاسمی صاحب نے پیش کیے۔ نظامت کے فرائض قاری محمد ابوذر صاحب نے انجام دیے۔ اس جلسہ میں ذمہ دارانِ جامعہ، اساتذہ وطلبہ اور قرب وجوار کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔

جلسۂ تکریم فارغاتِ شعبۂ حفظ

الحمد للہ اس سال شعبۂ حفظ طالبات سے ۳۶ طالبات فارغ ہوئیں۔ جامعہ نے اپنی ان بیٹیوں کی تکریم میں صفیہ منزل مسجد میں بتاریخ ۴؍فروری ۲۰۲۳ء کو ایک تقریب کا انعقاد کیا۔

انعم نور عالم (متعلّمہ شعبۂ حفظ) کی تلاوتِ قرآن سے پروگرام کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اس کے بعد صابرین محی الدین نے نبیؐ کی مدحت میں نعت پیش کی۔ ضویا مطیع اور ان کی ساتھیوں نے ترانۂ جامعہ پیش کیا۔

مہمانِ خصوصی محترمہ سمیہ سبحانی صاحبہ نے کلیدی خطبہ پیش کیا، جس میں انھوں نے حفظِ قرآن کی اہمیت وافادیت پر تفصیلی روشنی ڈالی اور ''تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے'' اور ''قرآن پڑھتے جاؤ اور چڑھتے جاؤ'' جیسے اہم نکات پر روشنی ڈالتے ہوئے سرپرست

حضرات کومخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگوں کی ذمہ داری مزید بڑھ گئی ہے، جس طرح آپ لوگوں کی تکریم ان بیٹیوں کے ذریعہ دنیا میں ہورہی ہے، ٹھیک اسی طرح آخرت میں یہ بچیاں آپ کی کامیابی کا ذریعہ بنیں۔ محترمہ نے فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ پر اپنی گفتگو ختم کی۔

محترمہ شبنم عبدالخالق صاحبہ (معلمہ شعبۂ حفظ) نے شعبۂ حفظ طالبات کا تعارف پیش کرتے ہوئے بتایا کہ اس شعبہ کا قیام ۲۰۰۴ء میں عمل میں آیا۔ بتدریج ترقی کرتے ہوئے آج موجودہ تعداد ۲۵۰ ہے۔

اس کے بعد ناظمِ جامعہ مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے بتایا کہ قرآن نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے۔ نیز قرآن کے حقوق پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے اپنی گفتگو اس شعر پر ختم کی:

وقتِ فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

اس کے بعد طالبات (نوشین اکرم، حرا عظیم اور ان کی ساتھیوں) کی جانب سے ایک منظوم ڈرامہ پیش کیا گیا:

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں
آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں

اس کے بعد صدور شعبہ جات اور مہمانِ خصوصی ومعلّمات کے بدست ردائے تکریم وتحائف کی تقسیم کا اہتمام کیا گیا۔ مہتمم جامعہ ومعاون مہتمم کلیۃ البنات نے اپنے تأثرات میں کہا کہ اللہ رب العزت نے قرآن کو محفوظ رکھنے کا ذریعہ انسانوں کو بنایا ہے اور انسانوں میں حفاظ قرآن ہی سے چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی قرآن بعینہ محفوظ ہے۔ ہیڈ شعبہ نے مختصراً کلمۂ تشکر پیش کیا اور خصوصی دعاؤں کے ساتھ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

اخبارانجمن

جناب عاصم محمود فلاحی تین عربی کتابیں مصر کے مشہور مکتبہ سے طبع ہوئیں

جناب محمود عاصم فلاحی کا تعلق معروف پور (ضلع جونپور) سے ہے۔آپ نے جامعۃ الفلاح سے 2005 میں عالمیت کی۔جامعہ ملیہ اسلامیہ سے بی اے اور جے این یو سے ایم اے اور پی ایچ ڈی کی۔تقریباً دس سال سے زائد سے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا سے وابستہ ہیں۔موصوف کی درج ذیل تین کتابیں مصر کے مشہور پبلشر المکتبۃ العربیۃ للنشر والتوزیع نے اہتمام سے شائع کی ہیں اور یہ کتابیں عالم عرب کے سب سے بڑے کتاب میلہ معرض القاہرۃ الدولی للکتاب میں شائقین کے لیے موجود رہیں۔ان کتابوں کے موضوعات درج ذیل ہیں:۱۔**الصحافة العربية وأعلامها في الهند** (ہندوستان میں عربی صحافت اور مشاہیر) 2۔ **الصحافة العربية المطبوعة تحت رعاية الحكومة الهندية بعد الاستقلال** (آزادی کے بعد ہندوستان میں عربی حکومتی مطبوعہ صحافت) 3۔ **إذاعة عموم الهند ودورها في ترويج الصحافة العربية** (عربی صحافت کی ترویج میں آل انڈیا ریڈیو کا کردار) شامل ہیں۔اس مناسبت سے صدر انجمن ابوالاعلی سید سبحانی صاحب نے برادر عاصم کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے دیگر فارغین کو بھی اس میدان میں آگے بڑھنے کی طرف متوجہ کیا۔

ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی پروفیسر شپ سے سرفراز ہوئے

۱۲ رفروری کو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز میں جنرل سلیکشن کمیٹی ہوئی۔اللہ کے فضل سے ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی پروفیسر ہو گئے۔ایسوسی ایٹ پروفیسر کے مرحلے سے انھیں نہیں گزرنا پڑا۔براہ راست اللہ نے انھیں پروفیسر شپ سے نوازا ہے۔صدر انجمن جناب ابوالاعلی سید سبحانی صاحب نے اس مناسبت سے مبارکباد پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ فلاحی برادری

کی طرف سے پروفیسر موصوف دلی مبارک باد کے مستحق ہیں۔اللہ انھیں مزید کامیابیاں عطا فرمائے،آمین۔محترم صدر انجمن نے فرمایا کہ پروفیسر ضیاء الدین ملک فلاحی تقریباً دو دہائی سے شعبہ اسلامک اسٹڈیز میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔زمانہ طالب علمی سے تصنیف و تالیف سے جڑے ہوئے ہیں،اب تک پچیس کتابیں شائع ہوچکی ہیں،ملک اور بیرون ملک مؤقر رسائل میں آپ علمی و تحقیقی مقالات شائع ہوچکے ہیں۔

پروفیسر توقیر عالم فلاحی شعبہ دینیات کے ڈین مقرر

۱۴؍فروری کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ سنی تھیالوجی کے پروفیسر توقیر عالم فلاحی کو 15 فروری سے دو سال کی مدت کے لیے ڈین فیکلٹی آف تھیالوجی مقرر کیا گیا ہے۔پروفیسر موصوف اس منصب پر اس سے قبل بھی فائز رہ چکے ہیں۔آپ تین درجن سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔ملکی و بین الاقوامی سمیناروں میں شریک ہوتے رہے ہیں۔اس مناسبت سے صدر انجمن ابوالاعلی سید سبحانی صاحب نے موصوف کو مبارکباد پیش کی اور ان کی خدمات کو فلاحی برادران کے لیے باعث افتخار قرار دیا۔

انجمن طلبہ قدیم قطر کی روٹینی میٹنگ

۳؍فروری ۲۰۲۲ء بروز جمعہ بعد نماز عشاء فلاحی برادران کی ایک میٹنگ (مرکز بن عمران) میں منعقد ہوئی۔جس کا بابرکت آغاز حافظ محمد شوکت فلاحی کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔سکریٹری یونٹ نیاز احمد فلاحی نے تمام شرکاء کو خوش آمدید کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالی کا شکر ہے کہ آج ہم پھر جامعۃ الفلاح اور انجمن کی نسبت سے اکٹھا ہوئے ہیں۔آپ نے قطر میں نو واردان جناب رضوان احمد فلاحی اور جناب انس ترابی فلاحی کا یونٹ کی جانب سے استقبال کیا اور نیک خواہشات کا اظہار کیا۔جناب اکرام الدین فلاحی نے سورہ عصر کی تشریح کرتے ہوئے ایک جامع تذکیر کی۔وقت کی اہمیت،ایمان اور عمل صالح کے باہمی ربط کی وضاحت کی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہنے اور اس راہ کی مشکلات پر صبر و استقامت کی تلقین کی۔

قطر میں جامعہ سے متعلق امور کے ذمہ دار جناب افضال احسن فلاحی نے رمضان میں وفد جامعہ کی آمد کے تعلق سے جاری کوششوں اور پیش رفت کو شرکاء کے سامنے پیش کیا اور امید ظاہر کی کہ جلد

ہی ویزا کے لیے (ھیا) کارڈ سے یا پھر ڈسکور قطر کے ذریعہ وزٹ ویزا کے لیے کوشش کی جائے گی۔ رہائش اوران حضرات کی دیگر سہولیات کا انتظام میں نے اپنے گھر میں کر رکھا ہے۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو مرکز کے کے قریب کوئی روم بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ یونٹ کے صدر جناب فیاض احمد فلاحی مدنی نے اپنے صدارتی کلمات میں فلاحی برادارن کی آمد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے نہایت اہم امور کی طرف فلاحی برادان کی توجہ مبذول کرائی کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں اور اللہ تعالی نے ہمیں بہت ساری نعمتوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے اس کی قدر کریں اور اسے فی سبیل اللہ استعمال کریں۔ وقت کی اہمیت کو محسوس کریں اور اس کا بہتر استعمال کریں۔ اللہ تعالی نے ہمیں علم دین سے نوازا ہے اور اس کے لئے ہمارا انتخاب کیا ہے چنانچہ قطر میں ہو رہی دینی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

شرکاء میٹنگ نے مختلف موضوعات پر اپنے اپنے خیالات رکھے اور اپنی آراء کا اظہار کیا۔ اس اوپن ڈسکشن اور مشورے سے کئی امور طے ہوئے۔

(1) وفد جامعہ کے لیے ویزا کی ترتیب: جناب افضال احسن فلاحی اور جناب ضیاء الرحمن فلاحی

(2) وفد جامعہ کے لیے افطار و سحر اور ملاقات کی ترتیب: جناب عبدالرحمن شمسی

(3) وفد جامعہ کی مواصلات کی ترتیب: جناب عبدالعزیز شہادت فلاحی

(4) جامعہ کے کسی ایک استاذ کے لئے مستقل ویزا کا انتظام تا کہ ہر سال ویزا کا مسئلہ درپیش نہ ہو۔

میٹنگ کے اختتام پر تمام شرکاء نے اجتماعی کھانا کھایا۔ باہمی ملاقات اور خیر و عافیت کا تبادلہ ہوا۔ میٹنگ میں (27) فلاحی برادران شریک رہے۔